اشاعت کے ۴۲ سال

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

بدنظمیوں کے حقیقی اسباب

اگر دنیا کی اخلاقی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے اور تعصبات سے الگ ہوکر بدنظمیوں، بے عنوانیوں اور شہری زندگی کے مشکلات کے حقیقی اسباب تلاش کئے جائیں تو انکی تہ میں جائز انسانی خواہشات اور حقیقی ضروریات کا ہاتھ کم ملے گا، ان کی تہ میں عموماً ناجائز خواہشات اور فرضی ضروریات نکلیں گی، انہیں ناجائز خواہشات اور فرضی ضروریات نے ہر زمانہ میں شہری زندگی میں نئی نئی الجھنیں اور ہر نظام حکومت کے لئے نئے نئے مشکلات پیدا کئے ہیں، انہیں فرضی ضروریات نے لوگوں کو مظالم، بددیانتی، غبن، استحصال بالجبر، رشوت خوری، سٹہ بازی، ذخیرہ اندوزی، فریب دہی پر آمادہ کیا، اور ان کے اثر سے پورے پورے ملک اور بڑی بڑی حکومتیں "اندھیر نگری چوپٹ راج" بن کر رہ گئیں۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

Rs 7/-

۲۵ر فروری ۲۰۰۵ء

PosTal Regd.No.LW/NP/63/2003to2005

February - 2005

Vol. No.4 - Issue NO 7

Fornightly

Tameer-e-Hayat

Nadwatul Ulama, Lucknow-226007

R.N.I. No.UP. URD/2001/6071

(0522)2740151 ندوہ مہمان خانہ

2741272 دفتر اہتمام

2741221 رابطہ ادب اسلامی (فیکس)

2741231 شعبہ تعمیر وترقی (فیکس)

Phone : 0522-2274606(s)
® : 2616731

Mobile : 0522-9415786548

Mohd. Akram JEWELLERS

محمد اکرم جویلرس

Near : Odeon Cinema, Lucknow.

Phone : 2266786

Riyaz Ahmad
Ghayas Ahmad

ثناء جویلرس

Sana Jewellers

۳۰۱/۱۲ سرائے بانس، اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ
301/12, Sarai Bans,
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-3

Phone : 2260433

جدید و دلکش سونے، چاندی کے زیورات کے لئے
ہمارے شوروم میں آپ کا خیر مقدم ہے

گہنہ پیلیس
Gehna Palace

Whenever You See Jewellery,
Think of us

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں، محمد فاروق خاں (چاند)

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

Resi : 226177
Akbari Gate : 2268845

سونے اور چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام

Shop : 9415002532
2613736
3958875

حاجی صفی اللہ جویلرس

گڑبڑجھالہ کے سامنے امین آباد، لکھنؤ

پروپرائٹر: محمد اسلم

HAJI SAFIULLAH JEWELLERS
Opp: Gadbad Jhala, Aminabda,Lucknow- 18

Md. Salman
Md.Zubair

Shop : 2218629
Resi : 2229265
Mob : 9415028247

SAHARA FOOT WEAR

Wholesaler

35, Amethi House, Near Post Office,
Aminabad, Lucknow

Editor : **Shamsul Haq Nadwi** Office Ph : 2741235(Ext) 18 Printed & Published by **Athar Husain** on behalf of **Nadwatul Ulama** at **Parekh Offset Printing Press**, Tagore Marg, Lko. Ph :2740966

فرمان الٰہی

انہیں ان کی بس یہ بات بری لگی، کہ وہ اللہ پر ایمان رکھیں

قسم ہے برجوں والے آسمان کی، اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے، اور شاہد اور مشہود کی۔ ناس ہو کھائی والوں، ایندھن بھری آگ والوں کا جب وہ اس پر بیٹھے ہوئے تھے، اور جو کچھ اہل ایمان کے ساتھ کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے تھے۔ انہیں ان کی بس یہ بات بری لگی، کہ وہ اللہ پر ایمان رکھیں جو طاقت کا مالک اور حمد کا سزاوار ہے۔ جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ستایا، پھر توبہ نہ کی، ان کے لئے عذاب ہے جہنم کا۔ اور ان کے لئے عذاب ہے بھڑکتی ہوئی آگ کا۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے، ان کے لئے جنتیں ہیں، جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔ یہی زبردست کامیابی ہے۔ بے شک تمہارے رب کی پکڑ بڑی ہی سخت ہے۔ وہی سیاہ و سپید کا مالک ہے۔ وہ انتہائی معاف کرنے والا اور محبت کرنے والا ہے۔ تخت کا مالک، بڑی شان والا، جو چاہے کر ڈالے۔ (سورۃ البروج)

فرمان رسالتؐ

اللہ کی قسم! یہ دین قائم ہو کر رہے گا

حضرت خباب بن الارتؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کعبہ کے سایے میں چادر کا تکیہ بنائے آرام فرما رہے تھے۔ ہم نے فریاد کی، آپؐ ہمارے لئے اللہ سے مدد نہیں مانگتے؟ آپؐ ہمارے لئے دعا نہیں فرماتے؟

آپؐ نے فرمایا: تم سے پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ گڑھا کھود کر آدمی کو گاڑ دیا جاتا! سر پر آرا رکھ کر بیچ سے چیر دیا جاتا! لوہے کی کنگھیاں کی جاتیں جن سے گوشت کھرچ جاتا! پھر بھی وہ دین کو سینے سے لگائے رکھتا!!

اللہ کی قسم! یہ دین قائم ہو کر رہے گا، یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء (یمن) سے حضر موت تک چلا جائے گا، راستے میں اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ ڈر ہوگا تو بس بھیڑیے کا بھیڑوں کے سلسلے میں، مگر افسوس تم لوگ جلدی مچاتے ہو! (صحیح بخاری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ اشاعت کے ۳۲ سال

جلد نمبر ۳۲ | ۲۵ رفروری ۲۰۰۵ء مطابق محرم الحرام ۱۴۲۶ھ | شمارہ نمبر ۴

زیر سرپرستی:
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نگران خصوصی:
حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی
(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی
(معتمد مال، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام
مولانا شمس الحق ندوی

رئیس التحریر
امین الدین شجاع الدین

معاون
ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

معاون
محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت
☆ مولانا نذر الحفیظ ندوی ☆ مولانا عبداللہ حسنی ندوی
☆ مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

سالانہ ۱۵۰/- فی شمارہ ۷/-

زر تعاون
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک ۳۵/- ڈالر
ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام سے بنائیں

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ
Tameer-e-Hayaat
Post Box No.93, Nadwatul Ulama Lucknow-226007
فون (دفتر) 18 2787250(Ext) مہمان خانہ (0522) 2740151
Website: www.nadwatululama.org
e-mail : Nadwa@sancharnet.in
thetameer-e-hayat@nadwatululama.org

مضامین و مندرجات سے متعلق سارے امور میں رئیس التحریر سے خط و کتابت کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے پارکیو آفسیٹ پرنٹنگ پریس، نیگور مارگ، لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

H.I Computer Institute, Lko 0522-3214913

اس شمارے میں

چراغ راہ	شاخ نشیمن کی فکر کیجئے	۲
اداریہ	حالات بدل سکتے ہیں	۳
حمد و نعت	ڈاکٹر شفیق ندوی / حضرت جگر مرادآبادی	
سخن دلنواز	علم دین کی نعت حقیقی نعت	۶
تحریکات اسلامی	رابطۂ ادب اسلامی: ایک فکر ایک تحریک	۸
تعلیم و تربیت	اقلیتوں کے تعلیمی مسائل	۱۱
سفر نامہ	دیدار کوہ طور	۱۴
محاسن اسلام	☆ حجاب: ایک تقابلی مطالعہ	۱۸
	☆ اسلام اور پیام امن	۲۲
اخلاقیات	صحافتی اخلاقیات کے چند پہلو	۲۶
شعر و سخن	ابلیس کا خطبہ صدارت	۲۸
مطالعہ کی میز پر	نقوش حیات	۲۹
فقہ و فتاویٰ	فقہی سوال و جواب	۳۱
وفیات	مولانا شمس الہدیٰ صاحب کا سانحہ ارتحال	۳۲

دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ اس شمارہ کے ساتھ آپ کا زر تعاون ختم ہو چکا ہے، از راہ کرم سالانہ زر تعاون ۱۵۰/- روپے ارسال فرما کر ممنون کریں۔

چراغ راہ

شاخِ نشیمن کی فکر کیجئے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

جس شاخ پر نشیمن ہم کو بنانا ہے اس شاخ کی فکر کی ضرورت ہے ہمارا سارا انحصار اس شاخ پر ہے، شاخ اگر قائم ہے، ہری بھری ہے، استوار و پائیدار ہے تو اسکے بعد یہ مسئلہ آتا ہے کہ نشیمن کیسا ہو؟ نشیمن بلبل کا ہو یا زاغ و زغن کا؟ لیکن یہ تو پہلے دیکھنا چاہئے کہ شاخ ہے بھی یا نہیں، اگر شاخ نہیں ہے تو پھر کوئی سوال نہیں اٹھتا کہ نشیمن کیسا ہو؟ وہ شاخ، معاشرہ کی شاخ جس پر نشیمن ہوگا وہ شاخ ہے، معاشرہ وہ شاخ ہے جو کسی ملک کی عام زندگی، شہر میں چلنے والے بازار میں خرید وفروخت کرنے والے کارخانوں میں کام کرنے والے اور مدرسوں میں، دانشگاہوں میں پڑھنے اور پڑھانے والے انسان، یہ عام انسان جن سے زندگی عبارت ہے، جن سے شہروں کی رونق ہے یہ اصل آبادی ہے، یہ کیا ہے اس کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے پیمانے کیا ہیں اس کے احساسات کیا ہیں؟ اس میں نشیمن کو اٹھانے، نشیمن کو برداشت کرنے کی کتنی صلاحیت ہے۔ آپ نشیمن زمین پر، عافیت کی جگہ پر بہتر سے بہتر بنائیں لیکن کس شاخ پر اس کو آپ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ شاخ اگر اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی اور زبان قال سے نہیں لیکن زبان حال سے اس کی پتی پتی، اس کا ایک ایک ریشہ یہ اعلان کرتا ہے کہ ہم اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے اور ہم کو نشیمن نہیں چاہئے، تو یہ ساری محنت بیکار ہو جائے گی۔ مسئلہ یہ ہے کہ شاخ بھی نشیمن چاہتی ہے یا نہیں؟ پھر نشیمن کا بوجھ شاخ برداشت کر سکتی ہے یا نہیں، سارا انحصار اس پر ہے کہ ہمارا معاشرہ کیسا ہے؟ ہمارا معاشرہ اعتقادی طور پر اور اخلاقی طور پر کیسا ہے؟ زندگی کی بنیادی چیزیں، اولین اصول، انسانیت کی ابتدائی شرائط کو پورا کر رہا ہے یا نہیں؟

معاشرہ ایسا ہے کہ گناہ گاری کی رغبت، نفس پرستی، بوالہوسی اس کا مزاج بن گئی ہے۔ جس طرح کہ مچھلی کو اگر پانی سے نکال کر خشکی میں ڈال دیا جائے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ یہ معاشرہ ایسا ہے کہ اگر اس میں صلاح کی دعوت دی جائے، اگر خدا کے خوف کی اجازت دی جائے یا اچھے اخلاق کی دعوت دی جائے، فسق وفجور سے بچنے کی دعوت دی جائے تو اس معاشرہ کا دم گھٹنے لگتا ہے جیسے مچھلی کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ میں قرآن مجید کی اس آیت پر غور کرتا ہوں تو اس کے اعجاز و صداقت کے سامنے انگشت بدنداں رہ جاتا ہوں۔ ایک فاسد مسخ شدہ معاشرے نے کس خوبی سے اپنے احساسات اور اپنے مضمرات کی ترجمانی کی ہے۔

اخرجوا ال لوط من قریتکم انھم اناس یتطھرون (النمل۔۵۶)

یعنی معاشرہ چیخ اٹھا، اس معاشرے نے پکار کر کہا اور بغیر کسی پرواہ اور شرم وحجاب کے کہا کہ ان پاکبازوں کی گزر ہم لوگوں کے ساتھ نہیں ہو سکتی

اخرجوا ال لوط من قریتکم انھم اناس یتطھرون ہم تو نجاست میں گلے گلے ڈوبے ہوئے ہیں ہم وہ مچھلی ہیں جو نجاست میں زندہ رہ سکتی ہے یہ جو ایک روآئی ہے طہارت کی یہ ہمیں برداشت نہیں، ہم اس کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتے ہم رہیں گے یا یہ، اگر آپ کو رہنا ہے تو ہم چلے جائیں گے یہ بستی چھوڑ کر۔

جس معاشرہ کی یہ کیفیت ہو جائے گی، اس معاشرہ کی صورت حال کو اور اصل زندگی کو نظر انداز کرنے کا کاغذ کے صفحات پر یا کسی گوشہ میں بیٹھ کر کوئی نقشہ کوئی نظام بنایا جائے گا تو وہ نظام کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یہ نشیمن بہر حال اس پر قائم ہوگا، آپ کو اگر اس نشیمن کو قائم کرنا ہے تو اس کی فکر کیجئے کہ وہ شاخ کس حالت میں ہے اگر اس شاخ پر تیشہ چلانے والے نے اپنی زندگی کے خوشگوار لمحات کو قربان کر دیا، زندگی بھر اسی جدوجہد میں رہے کہ اپنے آنے والی نسلوں کے لئے ہم کچھ ایسا انتظام کر جائیں کہ وہ سکھ چین کی زندگی گزار سکیں۔ ان کی تعلیم وتربیت ہمارا مقصد، ان کا بہتر مستقبل ہمارا نصب العین رہا۔ اتنی ساری قربانیوں اور مسلسل کاوشوں کے بعد یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم سے ہماری نسل چھین لی جائے؟ یہ سوال سامعین کے ذہنوں میں مسلسل گونجتا رہا لیکن یہ الجھن زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہی۔ بہت جلد ہم نے دیکھ لیا کہ کس طرح ہم سے ہماری نسلیں چھینی جا رہی ہیں۔

گھر گھر میں کیبل ٹی وی اور گلی گلی میں پھیلے ہوئے سائبر کیفوں نے ہماری نسلوں کو اس قدر مسحور کر دیا ہے کہ وہ ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے بھی ہم سے کوسوں دور ہو گئے ہیں۔

اگر آزمانا ہو تو جس وقت ٹی وی پر بچوں کی دل پسند سیریل چل رہی ہو اس وقت اپنے بچوں کو آواز دے کر آزمالیجئے۔ آپ کی معمول کے مطابق آوز کا تو بچوں پر اثر ہی نہیں ہوگا۔ دو تین صدائیں لگانے کے بعد بچہ اگر آپ کی طرف متوجہ ہو بھی جائے تو وہ آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے اس وقت تک تیار نہیں ہوگا جب تک اس کا من پسند سیریل ختم نہ ہو جائے۔ ذرا غور کیجئے آپ کے بچے ۲۴ گھنٹوں میں سے کتنے گھنٹے تعلیم پر خرچ کر رہے ہیں؟ اور کتنے گھنٹے ٹی وی کے سامنے اپنی آنکھیں خراب کر رہے ہیں؟ اسکول سے آنے کے بعد انہیں نہ اپنے کھانے کا ہوش ہے اور نہ ہی کپڑوں کا خیال ہے۔ اتوار اور دیگر تعطیلات کے دن تو ٹی وی اور بچے لازم اور ملزوم کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ اس

بقیہ صفحہ ۵ پر

اداریہ

حالات بدل سکتے ہیں

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی

سچی بات، دنیا کی تسلیم شدہ بات ہمیشہ سچی رہے گی خواہ وہ کسی حکیم وقت دانا وبینا، تجربہ کار اور جہاں دیدہ کی زبان سے نکلے یا کوئی راہ چلتا عامی یا کوئی گم نام وسادہ لوح شخص کہے، ہم سب جانتے ہیں کہ "عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی" قرآن نے بھی یہی کہا۔

وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ۔ (التوبۃ۔۱۰۵)

اور آپ کہہ دیجئے کہ (جو چاہو) عمل کئے جاؤ، سو ابھی دیکھے لیتا ہے تمہارے عمل کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور اہل ایمان۔

اور حدیث میں بھی یہی بات سمجھائی گئی ہے

إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَجْسَامِكُمْ إِنَّمَا يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ۔

اللہ تمہاری صورتوں اور جسموں کو نہیں دیکھتا ہے وہ تمہارے دل اور عمل کو دیکھتا ہے۔

یہی بات ایک عامی بھی اپنی قوت تعبیر کے مطابق کہتا ہے، آدمی کا کام پیارا ہوتا ہے چام (چمڑی) پیارا نہیں ہوتا۔ یہ ایک نظام الٰہی ہے، وقت کا فرمان ہے جو نہ کبھی ٹلا ہے اور نہ ٹل سکتا ہے۔ انك لن تجدلسنة الله تبديلا، انك لن تجدلسنة الله تحويلا۔

پروفیسر محسن عثمانی کو اللہ جزائے خیر دے انہوں نے بڑے کام کی بات لکھی ہے، جو ایک دل دردمند اور ہوشمند کا طرز کلام ہے جس میں یہی بات ہے کہ غم کی بھیانک اور تاریک رات میں کچھ لوگوں کی ہمت بندھائے اور ان کو یقین دلائے کہ شب غم لاکھ طولانی ہو تڑکا ہو ہی جاتا ہے، دن کی روشنی کو رات کی سیاہ چادر ڈھک لیتی ہے، اور اس سیاہ چادر کو پھاڑ کر آفتاب عالم اپنا چہرہ دکھاتا ہے۔ نان جویں کے محتاج، راہ چلتے گدائے بے نوا کو، اندھے کنویں کے قیدی کو، غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسان کو تخت حکمرانی کا وارث بنا دیتا ہے اور کبھی یہ دکھا دیتا ہے کہ جس کے لئے باادب، باملاحظہ، ہوشیار، عالم پناہ، جہانگیر زماں، رستم دوراں کی سواری آتی ہے، اس طرح "دوش ثریا پر سر رکھ کر سونے والے" صدر جمہوریہ کو زنجیروں میں کسا ہوا مجرم بنا کر دکھا دیتا ہے لہذا جو خدائے واحد وقدوس، زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین بنانے پر قادر ہے وہ بساط سیاست پر مار کھائی ہوئی قوم کو بھی سربلند وباوقار ملت کی شکل میں ظاہر کر سکتا ہے جس کی وہ اپنے عقیدہ اور ایمان کی بنا پر مستحق ہے، لیکن ان کے ساتھ ہم یہ بھی بھول نہیں سکتے کہ معجزہ وہی ہے جو پوری

تاریخ انسانیت میں ایک بار پیش آتا ہے، فرعون کی طرح فرعونی لشکروں کو ہمیشہ غرق دریا نہیں کیا گیا۔ صرف ایک مرتبہ ایسا ہوا تھا، اور دوبارہ چشم فلک نے یہ منظر نہیں دیکھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اندھے کنویں سے نکال کر مصر کے عرش حکومت پر ایک بار بٹھا دیا گیا تھا کہ دیکھ اللہ اس پر بھی قادر ہے، مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوا، ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں مظلوم و بیکس کنویں میں ڈال کر ہلاک کئے گئے، زندہ درگور کئے گئے، دیواروں میں چن دیئے گئے، مگر آسمان آسمان رہا اور زمین زمین رہی، کیونکہ سنت الٰہی میں تبدیلی نہیں ہوتی حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ یہ معاملہ ہوا، وہ سنت الٰہی کا نمونہ نہیں، معجزہ کا نمونہ تھا۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ جب کسی گری ہوئی قوم کو ابھارنا ہوا تو ان کے اندر حمیت و غیرت پیدا کر دی جاتی ہے، ان میں سب سے پہلے اتحاد و اتفاق اور ایک آواز بن کر، سیسہ کی دیوار بن کر کھڑے ہونے کی اسپرٹ پیدا کی جاتی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔ الصف۔۴

اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کو (خاص طور پر) پسند کرتا ہے جو اس کے راستہ میں مل کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک عمارت ہے کہ جس میں سیسہ پلایا گیا ہے۔

اور دنیاوی اعتبار سے سربلند قوم جس کو بنایا گیا خواہ ہمیں اس سے جتنی نفرت ہو، ہم جس درجہ اس کو نجس سمجھتے ہوں، مگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خون معاف، کرنے یہودیوں کو گلے لگانے اور ان کی سازشوں کو نافذ کرنے کیلئے اپنی عقل، اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرتا ہے، اسکو تباہ کرنے کے لئے ایسا کارنامہ بین الاقوامی اسٹیج پر کھیل سکتی ہے، اور نصاریٰ اپنی سازشی عقلیت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں، اس کے برخلاف وہ مسلمان جن کو کتاب اللہ میں ہدایت دی گئی تھی۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ أَلْقٰى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا، تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (النساء۔۹۴)

اور ایسے شخص کو کیا جو تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے دینوی زندگی کے سامان کی خواہش میں یوں مت کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں۔

وہ کبھی ایک دوسرے سے وحدت کے کلمہ کی بات نہیں کر سکتے جو آپ کے کعبہ کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے ہوں، آپ کا ذبیحہ کھا سکتے ہوں اور خدائے واحد کی عبادت کر سکتے ہیں وہ بھی آپ کی یگانگت سے محروم ہیں اور اس احکام خداوندی کی کھلی نافرمانی کے بعد بھی یہی توقع رہتی ہے کہ ہمارا چھوٹا سا گروہ دنیا میں سربلند اور آخرت میں سرخ رو ہوگا۔ تفریق بین المسلمین پر ہمارے عقیدہ کی بنیاد ہے، وحدت کو گناہ جانتے ہیں اور متوقع ہیں کہ صرف اسلامی نام رکھنے کے عوض ہی دنیا کی سرخ روئی اور آخرت کی نجات حاصل ہوگی اگر ایسا ہوتا تو انبیاء کرام کی بعثت ہی نہیں ہوتی، ہدایت کی روشنی غالب نہ آتی کاش کہ یہ بات ہماری سمجھ میں اب بھی آجائے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: شاخِ نشیمن کی فکر کیجئے

سلسلہ میں ایک غلط فہمی یہ بھی ہے کہ ہم کارٹون فلموں کو بے ضرر تصور کرتے ہیں، ان کے دیکھنے پر کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ لیکن یاد رکھئے ان کارٹون فلموں کا اثر بچوں کے ذہنوں پر دیگر فلموں کے مقابلہ زیادہ اور دیرپا ہوتا ہے۔ واشنگٹن یونیورسٹی کے ماہر نفسیات ڈاکٹر کارل بٹس بچوں کے پروگراموں کے اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''فلموں، ٹی وی سیریز اور فرضی افسانوی کہانیوں اور کارٹون پر مشتمل پروگرام دیکھنے کا اثر بچوں پر بہت بھیانک ہوتا ہے۔ ڈاکٹر کی تحقیق ہے کہ ویڈیو گیمس اور متحرک کارٹون جیسے پروگرام دیکھنے سے بچوں کے اندر مندرجہ ذیل امراض پیدا ہوتے ہیں۔ افسانوی اور فرضی پروگرام دیر تک دیکھنے سے بچوں میں نفسیاتی اور ذہنی تناؤ پیدا ہوتا ہے۔ افسانوی اور فرضی پروگرام دیکھنے سے بچوں کو اس وقت نفسیاتی اور ذہنی صدمہ اٹھانا پڑتا ہے۔ جب یہ پروگرام ختم ہو جاتے ہیں اور وہ حقیقت کی دنیا میں واپس آجاتے ہیں۔ اور پھر جس انداز میں اور جس مقصد کے لئے یہ فلمیں بنائی جارہی ہیں ان سے ہم لوگ اب بھی ناواقف ہیں۔ عام طور پر والدین کارٹون فلم یا سیریل دیکھتے نہیں ہیں اس لئے وہ اس کے مضرات کو محسوس بھی نہیں کر سکتے۔ کارٹون فلموں کی تیاری، اس کے مشتملات اور اس کے مقاصد یہ الگ تفصیل طلب موضوع ہے۔ اس وقت ہم صرف یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ بچے کارٹون فلموں میں اپنے کو تلاش کرتے کرتے خود کہیں گم ہو جارہے ہیں۔ عمر کے مختلف ادوار سے گزرنے والے بچوں کی پسند اور دلچسپیاں ان کی عمر کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہیں۔

چھوٹے بچے اگر کارٹون پسند کرتے ہیں تو نوجوانوں کی دلچسپی فلموں اور پاپ سنگیت میں زیادہ ہوتی ہے۔ ٹی وی پر بڑھتی ہوئی فحاشی اور عریانیت سے ڈر ہے کہ نئی نسل یا تو جنسی بے راہ روی کی طرف مائل ہو جائے گی یا یہ بھی ہو سکتا ہے ان کی جنسی حس ہی ختم ہو جائے۔ دونوں صورتیں خطرناک ہیں۔ پہلی صورت میں اگر نسلیں جنس پرستی کا شکار ہو سکتی ہیں تو دوسری صورت میں نسلوں کی بقاء پر سوالیہ نشان لگ سکتا ہے۔ مسلسل مار دھاڑ اور جرم کے نئے نئے طریقوں کا مشاہدہ، جھوٹ فریب، دھوکہ دہی، بے ایمانی، رشوت خوری، بے راہ روی، بے حسی، دھوم مستی، سیکڑوں ہیں اور نشیمن بنانے والا ایک ہے اور میں مانتا ہوں کہ وہ اعلیٰ درجہ کی صلاحیت اور پورے وسائل رکھتا ہے

معاشرہ زمین ہے، اگر یہ زمین درست ہے اپنی جگہ پر قائم ہے، قرآن کے الفاظ میں کثیبا مہیلا اریت کا ٹیلہ نہیں ہے جو ہر وقت کھسکتا رہتا ہے، جب ہوا آتی ہے تو اس کے ذرات کو اڑا کر لے جاتی ہے اس کا کسی وقت بھی اطمینان نہیں کہ کل جب آندھی کا طوفان آئے گا تو یہ ٹیلہ یہیں پر ملے گا۔ اگر ہماری سوسائٹی ''ریگ رواں'' کی طرح ہے جب کوئی چالاک آدمی اس سوسائٹی میں پیدا ہو جائے تو پوری سوسائٹی کو اپنا مسخر بنا سکتا ہے، اس کے دل کے دھڑکنوں کے ساتھ یہ سوسائٹی مل جاتی ہے اگر سوسائٹی میں اتنی بھی مقاومت، خطرہ کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے، اگر اس میں تنکے کی طرح بہتے ہوئے پانی میں بہہ جانے کی صلاحیت ہے اور وہ ہر وقت اس کے لئے تیار رہتی ہے کہ کوئی مفسد طاقت یا دعوت یا نظام یا فلسفہ آجائے تو اس کی ہمنوائی کرنے لگے اور اس کی ساری محنتوں پر پانی پھیر دے، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ تو اس معاشرہ کا اس سوسائٹی کا خدا ہی حافظ ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

تذکیر

فکر موت

اصلاح قلب کی اصل ہے

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تم سے مل کر رہے گی۔'' رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''لذتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کا کثرت سے ذکر کیا کرو۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''میں نے ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ''یا رسول اللہ! حشر کے دن شہداء کے ساتھ اور کوئی بھی اٹھے گا؟'' آپ نے فرمایا کہ ''ہاں وہ شخص جو رات دن میں موت کو بیس مرتبہ یاد کر لیتا ہو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''موت کے برابر کوئی واعظ نہیں ہے۔'' یعنی نصیحت کرنے کو تو موت ہی کافی ہے، اور ''اگر جانوروں کو موت کا اتنا علم ہو جتنا کہ بنی آدم کو ہے تو کوئی جانور فربہ کھانے کو نہ ملے۔'' میں تم میں دو وعظ چھوڑے جاتا ہوں ایک واعظ ساکت یعنی خاموش واعظ یعنی موت اور دوسرا واعظ ناطق یعنی گویا قرآن مجید۔ موت بڑی ہولناک چیز ہے اور موت کے بعد کے واقعات اس سے زیادہ خوفناک ہیں اور ان کا ذکر کرنا اور یاد رکھنا دنیا کو منغض یعنی دنیا کو مکدر بناتا ہے اور اس دار ناپائدار کی محبت کو دل سے نکال لیتا ہے، اور دنیا کی محبت ہی ہر گناہ کی جڑ بنیاد ہے، پس جب دنیا سے قلب کو نفرت ہو گئی تو سب کچھ مل گیا اور دنیا سے نفرت ہو گئی جب کہ موت کا فکر اور خیال ہوگا کہ عنقریب ہم پر کیا آفت آنے والی ہے۔

حضرت امام غزالیؒ

سخن دلنواز

علم دین کی نعمت ہی دراصل حقیقی نعمت ہے
طلبائے علوم نبوت کو اس کی قدر کرنی چاہئے

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ترتیب : محمد ارشد بجنوری ندوی
پیش کش : اقبال احمد ندوی

حقیقی نعمت نعمتِ دین ہے:

عزیز طلبہ! یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ اس نے آپ کو اس کی توفیق دی کہ علم دین سے واقف ہونے کے لئے آپ یہاں آئے، دین کی نعمت ہی دراصل حقیقی نعمت ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں بھی اسی کو نعمت کا نام دیا ہے، اور اس نعمت سے سرفراز لوگوں کے راستہ پر چلنے کی دعاء مانگنے کی تلقین فرمائی ہے، سورہ فاتحہ میں ارشاد ہے: ﴿صراط الذین أنعمت علیهم﴾ (رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے)۔ یہ نعمت اس وقت نعمت کہلائے گی جب انسان دین کے مطابق زندگی گزارے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے۔

دوسری مخلوقات پر انسان کا امتیاز:

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بہت سی مخلوقات پیدا کی ہیں، اور ان سب میں سے انسان کا انتخاب اپنے کام کے لئے کیا، کسی کا جب کسی کام کے لئے انتخاب کیا جاتا ہے تو اس میں ایسا امتیاز ہوتا ہے جیسا انتخاب کے کام کے لائق ہو، اس میں ذمہ داری کو پورا کرنے کی صلاحیت ہو اور وہ اچھے طریقے سے اس ذمہ داری کو انجام دے سکتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کا انتخاب دوسری مخلوق کے مقابلہ میں کیا ہے، اور اس کو مقررہ ذمہ داری پورا کرنے کی طاقت بھی دی ہے۔ اس نے جب دوسری مخلوق پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی کیونکہ وہ اس ذمہ داری کو نہیں اٹھا سکتی تھی تو اس سے یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس کے لائق بنایا۔ یہ ان کے لئے بڑے انعام کی بات ہے۔ مگر انتخاب اس لئے کیا گیا ہے کہ اللہ کی مرضی اور خوشنودی حاصل کرنے والے اعمال کئے جائیں، اور اللہ نے انسانوں میں یہ صلاحیت رکھی ہے۔

علم دین کی ضرورت:

اس کے لئے ضروری ہوا کہ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے سب سے پہلے وہ دین کا علم حاصل کریں اور اس پر عمل کریں، اور دوسروں تک بھی اس بات کو پہونچائیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾ (اگر تم کو علم نہیں ہے تو اہل علم سے پوچھ لو۔ سورہ النحل: ۴۳)، دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس، تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و تؤمنون بالله﴾ (تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔ سورہ آل عمران: ۱۱۰)۔ لہٰذا یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ یہ کام جب ہی ہو سکتا ہے جب علم دین حاصل کیا جائے، کسی سے سیکھا جائے۔

شکر نعمت ازدیادِ نعمت کا باعث ہے:

ہمارے مدارس کا بھی دراصل یہی مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کی باتیں سکھائیں۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کا مزید یہ انعام ہے کہ آپ ایسے مدرسہ میں آئے ہیں، آپ کو اس نعمت کی قدر کرنی چاہئے۔ آدمی کو جب کسی خیر کی قدر ہوتی ہے تو اس چیز کے دینے والے کی نظر میں اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے، تو اللہ کی نعمت کی قدر کرنے میں اللہ کی نظر میں اس کی اہمیت بڑھ جائے گی اور اللہ تعالیٰ خوش ہو کر مزید نعمت عطا فرمائے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿لئن شكرتم لأزيدنكم﴾ (اگر تم شکر کروگے تو تم کو زیادہ (نعمت) دوں گا۔ سورہ ابراہیم: ۷)۔ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا، اور جب وہ راضی ہوگا تو کوئی آپ کو نقصان نہیں پہونچا سکتا۔

معصیت اللہ کی رحمت سے دور کر دیتی ہے:

آج دنیا میں ہر ایک پریشان ہے، یہ اسی لئے ہے کہ اللہ کے دین کی قدر نہیں ہے، یہ اللہ سے ایک طرح کی وعدہ خلافی ہے، اس لئے کہ مسلمان نے اپنے کو جب مسلمان سمجھا اور مانا ہے تو اس ماننے کی بنیاد پر اس نے درحقیقت اللہ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ہم بحیثیت مسلمان ہونے کے تیرے سب حکموں کو مانیں گے، اور تو ہی ہمارا خالق و مالک ہے، اور ہم تیرے تابع اور حکم ماننے والے ہیں۔ اب اگر وہ اپنے خالق و مالک کے حکموں کو نہیں مانتا ہے تو یہ کیسا مسلمان ہوا؟۔ افسوس کی بات ہے کہ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مسلمان ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر ان کا عمل مسلمان کی حیثیت سے جو ہونا چاہئے وہ نہیں ہے، ان کا عمل ان کے نفس کے مطابق ہوتا ہے، جو کہ درحقیقت اللہ کی ناراضگی کا باعث ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ان کا یہ عمل اللہ سے وعدہ خلافی ہے۔ کیا اس سے اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہوگا؟ اور اپنی رحمت ایسے بندوں سے ہٹا نہ لیگا؟۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت ساری دنیا میں بےچینی اور پریشانی پھیلی ہوئی ہے، جہاں تک کافروں کا

تعلق ہے تو وہ جب مسلمان نہیں ہوئے تو گویا انہوں نے اللہ سے وعدہ ہی نہیں کیا، وہ اللہ کے باغی ہیں، ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہمیش کی سزا رکھی ہے، وہ اگر توبہ نہیں کرتے تو اس کی انہیں سخت سزا ملے گی، لیکن وہ آخرت میں ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر یہ ذمہ داری رکھی ہے کہ وہ حق کے راستے سے ہٹے ہوئے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کریں، برائی سے روکیں اور بھلائی کے کام کی ترغیب دیں۔ اور یہ سب تب ہی ہو سکتا ہے جب اس کام کے لئے جو علم ضروری ہے وہ علم حاصل کیا جائے، اگر اس کا علم حاصل نہیں کریں گے تو اس پر عمل آسان نہ ہوگا۔

علم صحیح قرآن وسنت سے حاصل ہوتا ہے:

صحیح راستہ پر چلنے کے لئے جو باتیں ضروری ہیں وہ قرآن وحدیث سے حاصل ہوتی ہیں، ہم ان باتوں سے واقف ہوں تب ہی ہم اللہ کو راضی کرنے کا کام کر سکتے ہیں، قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ عربی پر قدرت حاصل ہو، اسی لئے یہ مدارس قائم کئے گئے ہیں کہ ان میں پہلے ایسا نصاب پڑھایا جاتا ہے جس کے ذریعہ آپ کو عربی پر اچھی قدرت حاصل کرائی جائے، پھر جو علم ضروری ہے قرآن وحدیث کا وہ پڑھایا جائے۔

دنیا کی ترقی علم کی مرہون منت ہے:

ساری دنیا نے علم ہی سے ترقی کی ہے، آج ہم زندگی کی ضرورتوں کے لئے نئی نئی ایجادات دیکھ رہے ہیں یہ سب ان کے لئے جو ضروری علم ہے اس کے حاصل کرنے کا ہی نتیجہ ہے۔ دیکھئے انسان جو کچھ بھی کرتا ہے پہلے وہ اس کو معلوم کر چکا ہوتا ہے اور سیکھ چکا ہوتا ہے، ہم مسلمان ہیں، ہم کو سب سے پہلے اس علم سے واقف ہونا چاہئے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے، وہی ہمارا مالک ہے، وہی ہماری سب ضرورتیں پوری کرتا ہے، کبھی قحط سالی ہوتی ہے تو سچ پوچھئے تو یہ اللہ کو ناراض کرنے والے اعمال کی کثرت کا نتیجہ ہوتی ہے، اس لئے ان اعمال سے بچنا چاہئے جن سے ہمارا پروردگار ناخوش ہوتا ہے۔

مدارس اسلامیہ کے قیام کا مقصد:

ہمارے مدارس اسلامیہ کے قیام کا مقصد قرآن وحدیث کا فہم پیدا کرنا اور علوم قرآنی سے واقف کرنا ہے، تو آپ کو اس کی اہمیت سمجھنا چاہئے کہ جس علم کو آپ حاصل کر رہے ہیں وہ کتنا اہم اور ضروری ہے، اس سے دنیا اور آخرت دونوں کا نفع ہے، اس سے آدمی کو دونوں کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ علم توجہ اور قربانی دینے، آرام وراحت کو چھوڑنے اور محنت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ پہلے زمانہ میں ہر استاد اپنی جگہ ایک مدرسہ ہوتا تھا، اس کے پاس طلبہ آتے اور وہ ان کو پڑھا دیتا تھا۔ استاد کو طلبہ کے قیام وطعام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا کہ ان کے رہنے اور کھانے کا نظم کیا ہوگا؟ یہ ساری ذمہ داری طلبہ کی تھی۔ ان کو محنت سے ان چیزوں کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔

حضرت رائے پوریؒ کا حصول علم کے لئے مجاہدہ:

اس کی مثالیں جہاں ماضی بعید میں بھری ہوئی ہیں وہیں ماضی قریب میں بھی ملتی ہیں، ہمارے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ بریلی کے ایک مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتے تھے، اور اوڑھنے کے لئے کچھ نہیں تھا تو جاڑے کے موسم میں مسجد کی چٹائی کو اپنے اوپر لپیٹ لیتے تھے، جب ان کے والد نے یہ حالت دیکھی تو ان کو بہت دکھ ہوا، معلوم کرنے پر حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا کہ ابا جان! علم حاصل کرنے کے لئے تو مشقت اٹھانی ہی پڑتی ہے۔

ہم نے بڑے بڑے علماء وفضلاء کے بارے میں سنا کہ ان کو علم سے ایسا لگاؤ تھا کہ رات رات بھر پڑھتے، چراغ جلانے کے لئے پیسے نہیں ہوتے تو کسی دکان والے کے چراغ کی روشنی میں مطالعہ کرتے، اور صاحب دکان سے کہتے کہ اس طرح ہم تمہاری دکان کی حفاظت بھی کریں گے اور اپنا مطالعہ بھی کریں گے۔ تو میرے عزیزو! اس طرح لوگوں نے علم حاصل کیا اور بڑے عالم بنے کہ ساری دنیا نے ان کے علم اور ان کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا، اس لئے علم کے حصول کے لئے محنت کرنی پڑے گی۔

مدارس کی سہولیات نے طلبہ میں سستی پیدا کر دی:

مدرسوں نے آج تعلیم میں بڑی آسانیاں فراہم کر دی ہیں، اس کی وجہ سے طلبہ میں سستی پیدا ہو گئی، جب مدرسوں کی یہ آسانیاں نہیں تھیں تو طلبہ مشقت اٹھاتے اور قدر کے ساتھ علم حاصل کرتے تھے۔

کام کی باتیں:

عزیزو! آخر میں میں چند کام کی باتیں بطور خلاصہ کے تم سے کہتا ہوں، اگر تم ان پر عمل کروگے تو ان سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ ایک یہ کہ اس علم کے لئے تمہیں بڑی محنت کرنی پڑے گی، بعض حضرات اپنے گھر سے علم حاصل کرنے کے لئے آئے تو فارغ ہو کر ہی اپنے گھر واپس گئے۔ ایسے طلبہ ہمارے ندوہ میں بھی رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ علم کی قدر کرو، اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوگا، جو لوگ اس علم دین کو حاصل نہیں کرتے وہ اکثر بگاڑ اور خرابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ کتاب کو خوب سمجھ کر پڑھو، اور خوب محنت کرو، جب تم محنت کروگے تو فراغت کے بعد اس کا اچھا نتیجہ دیکھوگے اور لوگ تم کو عزت کی نظر سے دیکھیں گے۔ چوتھے یہ کہ اس علم کی اہمیت کو سمجھو، اور آخری بات یہ اپنے اساتذہ سے استفادہ کرو اور ان کا احترام کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو کامیابی عنایت فرمائے، آمین۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

رابطہ ادب اسلامی: ایک فکر ایک تحریک

''کلکتہ میں'' ہوا خیمہ زن کاروان بہار

(ایک رپورٹ)

جناب مولانا واضح رشید ندوی
سکریٹری رابطہ ادب اسلامی

یہ مذاکرۂ علمی کلکتہ کی سرزمین پر منعقد ہورہا ہے جہاں مشرق ومغرب کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے، اور یہاں کی فضا میں تہذیب جدید ایسی رچی بسی ہے جو دونوں تہذیبوں کی نمائندہ اور ترجمان بن گئی ہے۔ چنانچہ یہاں جدید عصری تعلیم گاہیں بھی ہیں اور قدیم اسلامی اور دینی مدارس بھی۔ یہ مختلف سیاسی، ادبی اور علمی تحریکوں اور اداروں کا مرکز بھی ہے اور یہیں وہ ذرائع ابلاغ واشاعت بھی وجود میں آئے جنھوں نے ہندوستانی سیاست پر اپنے دوررس اثرات ڈالے، سیاسی زعماء وقائدین نے بھی اس سرزمین پر جنم لیا اور عالمی شہرت کے حامل مفکرین ومحققین بھی پیدا ہوئے، اور یہاں سے ایسے ادباء بھی ابھرے جنہوں نے پورے عالم سے اپنی صلاحیت وعظمت کا لوہا منوایا، اور ان کی تصنیفات اور علمی کاوشوں کا دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ نیز اس شہر کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ یہ رنگارنگ وبوقلموں ثقافتوں اور مختلف تہذیبوں کا مرکز، متنوع علوم وفنون کی جولانگاہ اور روحانیت ومادیت کی حسین آماجگاہ بھی ہے۔

یہاں سات سمندر پار سے انگریز آئے اور اپنے ساتھ استعمار کی چیرہ دستی اور مغربی مادی تہذیب کا سیلاب بلاخیز بھی لائے۔ دوسری طرف اس کو یہ اعجاز بھی حاصل ہوا کہ اس نے سید احمد بن عرفان شہیدؒ اور ان کے قدسی صفات رفقاء کی قدم بوسی بھی کی، اور ان کا دل کی گہرائیوں سے پرجوش استقبال کیا، جو حج وزیارت کے لئے حجاز مقدس اور حرمین شریفین جاتے ہوئے کچھ عرصہ کے لئے یہاں تشریف لائے تھے، پھر حضرت سید احمد شہیدؒ کی دعوت اور ان کے قافلہ میں شامل علماء کے مواعظ سے متاثر ہوکر یہ شہر ایک اسلامی شہر میں تبدیل ہوگیا، ان نفوس قدسیہ کے جواثرات یہاں کی فضا اور ماحول پر پڑے مؤرخین نے ان کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ کتنوں نے گناہوں سے توبہ کی اور صحیح راستہ پر پڑ گئے۔ شراب کی دوکانیں اور لہو ولعب کے مراکز بند ہوگئے۔ اور ان کے مالکان نے ٹیکس کی ادائیگی سے معذرت کی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی ندویؒ اپنی کتاب ''جب ایمان کی بادبہاری چلی'' میں کلکتہ پر سید احمد شہیدؒ کے اثرات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''سید صاحب اور آپ کے رفقاء حج کے ارادے سے کلکتہ پہنچے اور یہاں کئی دن قیام کی نوبت آئی۔ طالبین حق پروانوں کی طرح آپ پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ ہجوم کی وجہ سے آپ کو آرام اور کھانے پینے کا موقع ملنا دشوار ہوگیا، مولانا عبدالحی اور مولانا اسمٰعیلؒ کے مواعظ کا سلسلہ بھی پورے زوروشور سے جاری تھا، لوگوں کو بہت دن کے بعد ایمان کی حلاوت نصیب ہوئی، اکثر لوگ کہتے تھے کہ ہم ازسرنو مسلمان ہوئے ہیں، پہلے ہمیں صرف اسلام کا نام اور دین کی صورت کا علم تھا، اس کی حقیقت سے ناواقف تھے۔ (صفحہ ۷۱)

آگے مزید فرماتے ہیں:

''کلکتہ میں شراب کی دکانوں کا یہ حال ہوا کہ یک لخت شراب کئی موتوف ہوگئی، دکانداروں نے سرکار انگریزی میں اس کا شکوہ کیا کہ ہم لوگ سرکاری محصول بلاعذر ادا کرتے ہیں، اور دکانیں ہماری بند ہیں، جب سے ایک بزرگ اپنے قافلہ کے ساتھ اس شہر میں آئے ہیں، شہر اور دیہات کے تمام مسلمان ان کے مرید ہوئے اور ہر روز ہوتے جاتے ہیں، انہوں نے کل مسکرات سے توبہ کی ہے، اب کوئی ہماری دکانوں کو ہو کر بھی نہیں نکلتا۔'' (صفحہ ۷۲۔۷۳)

اس واقعہ سے جہاں سید احمد شہیدؒ کی لوگوں کے قلوب کی تسخیر اور ان کی قوت تاثیر کا پتہ چلتا ہے وہیں اس شہر کے لوگوں کی اثرپذیری کی صلاحیت، رقت قلبی، فراست ایمانی، احساس کی لطافت، شعور کی نزاکت اور اہل حق کی قدردانی کا بھی پتہ چلتا ہے، کیونکہ صالح اور عمدہ تربیت ادنیٰ سے ادنیٰ اثرات بھی قبول کرتی ہے، جیسا کہ قرآن نے کہا ہے ﴿فان لم یصبھا وابل فطل﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۶۵) پھر آگے چل کر پورا بنگال مولانا کرامت علی صاحب جونپوریؒ کی دعوت سے متاثر ہوا جنہیں ان کے شیخ ومرشد حضرت سید احمد شہیدؒ نے اس علاقہ میں دعوت وارشاد اور اصلاح احوال کے کام کے لئے بھیجا تھا۔

سرزمین بنگالہ سے ہر زمانہ میں مختلف علمی، ادبی اور ثقافتی دعوتیں اور تحریکیں اٹھتی رہی ہیں، اور زندگی کے ہر میدان میں اس خطہ کا نمایاں حصہ رہا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس علاقہ کو طبعی مناظر اور عمدہ محل وقوع سے بھی نوازا ہے، ایک طرف اگر انگریزوں کے استعماری قدم اس سرزمین پر پڑے تو دوسری طرف یہیں سے آزادی کی صدا بھی بلند ہوئی، مولانا ابوالکلام آزادؒ نے یہیں سے اپنا ''الہلال'' نکالا جس نے لوگوں میں آزادی کی روح پھونکی، اور کلکتہ نے تحریک خلافت کا بھی بھرپور ساتھ دیا جو ملک کی آزادی کی بنیاد تھی۔

رابطہ ادب اسلامی کا یہ مذاکرۂ علمی اسی تاریخی شہر میں منعقد ہو رہا ہے جو اثر انگیزی اور اثر پذیری

دونوں صلاحیتوں کا جامع ہے، یہ ایک بڑا صنعتی شہر ہے جہاں دیوہیکل مشینوں اور بھاری صنعتوں اور فیکٹریوں کے پہلو بہ پہلو متعدد علمی، مذہبی اور فنی مراکز بھی قائم ہیں ہمارا گذشتہ مذاکرۂ علمی اجراڑہ میرٹھ کے دیہات میں باغوں اور کھیتوں کے دیہی اور طبعی ماحول میں ''تراجم قرآن کا جائزہ، زبان وادب اور فکر کی ترجمانی'' کے موضوع پر منعقد ہوا تھا اور آج ہم یہ مذاکرۂ علمی کارخانوں فیکٹریوں اور آسمان سے باتیں کرنے والی بلند وبالا اور پُرشکوہ عمارتوں کے درمیان منعقد کررہے ہیں۔ اس مذاکرہ کے لئے ہم نے عنوان بھی ایسا منتخب کیا ہے جو اس علاقے کے مزاج اور تاریخ کے حسب حال اور بہت موضوع ہے یعنی ''اردو زبان وادب پر دوسری مقامی زبانوں کے اثرات'' یہ موضوع جتنا اس علاقے کے لیے موضوع ہے اتنا شاید اور کسی علاقہ کے لئے موضوع نہ ہوتا۔ کیونکہ یہاں کے لوگ اپنی مقامی زبان ''بنگالی'' کے تئیں بہت حساس واقع ہوئے ہیں، بنگال والے اپنی زبان سے محبت اور اس پر فریفتہ اور شیدا ہونے میں مشہور ہیں اور یہ زبان بیش قیمت ادبی سرمایہ سے بھی مالا مال ہے، اس نے عالمی شہرت کے حامل ادباء وشعراء پیدا کئے ہیں، لیکن اپنی مقامی ومادری زبان سے محبت وتعلق کے ساتھ ساتھ اردو زبان وادب کے سرمایہ میں اضافہ کرنے میں بھی اہل بنگال کا نمایاں حصہ ہے، خواہ وہ علم کی زبان سے ہو یا ادب وصحافت کی راہ سے ہو۔ چنانچہ اردو کا پہلا اخبار ''جام جہاں نما'' ۱۸۲۲ء میں اسی کلکتہ سے شائع ہوا پھر مولانا ابوالکلام آزادؒ نے کلکتہ ہی سے ۱۹۱۲ء میں اپنا ''الہلال'' پھر ''البلاغ'' جاری کیا اردو صحافت کی بنیاد مستحکم اور مضبوط کرنے میں یہاں کے صحافیوں کا بڑا قابل قدر حصہ ہے یہ چیز اس علاقے کی ادبی ولسانی رواداری کی عکاسی کرتی ہے کلکتہ سے شائع ہونے والے قدیم روزناموں میں ایک روزنامہ ''آزاد ہند'' ہے جس کے چیف ایڈیٹر ایک عرصہ تک مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی رہے۔ یہاں کا دوسرا اردو اخبار موجودہ دور میں روزنامہ ''اخبار مشرق'' ہے جو ملک کے کئی حصوں سے نکلتا ہے۔

اردو زبان جس طرح اور مقامی زبانوں سے متاثر ہوئی اسی طرح اس نے بنگالی زبان کا بھی اثر قبول کیا، اور یہ تاثر الفاظ کے اعتبار سے بھی رہا اور معنی اور جذبہ کے اعتبار سے بھی۔ چنانچہ بنگالی حضرات کی ایک بڑی تعداد اردو بولنے والوں کے مدارس میں تعلیم حاصل کرتی ہے پھر یہ لوگ اپنے وطن واپس جاکر اپنی علمی وادبی سرگرمیوں میں مشغول ہوتے ہیں، اور ان میں سے بہت سے اردو زبان بولتے بھی ہیں۔ اردو بولنے والے طبقہ سے ان کا اختلاط اردو والوں پر بھی اپنا اثر ڈالتا ہے اور بہت سی کتابیں اردو سے بنگالی میں اور بنگالی سے اردو میں منتقل کی گئیں اس طرح وسیع پیمانہ پر دونوں زبانوں میں تبادلہ کا عمل جاری وساری ہے اس لحاظ سے کلکتہ اس مذاکرۂ علمی کے انعقاد کے لئے ایک بہترین مقام ہوسکتا تھا۔

رابطہ ادب اسلامی کے ذمہ داران مذاکرۂ علمی کے لئے ہمیشہ کسی نئے اور دلچسپ موضوع کا انتخاب کرتے ہیں، نیز ان کی کوشش ہوتی ہے کہ فنی واصلاحی، دعوتی اور فکری پہلوؤں کے مابین ربط پیدا کریں، اس میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ ایک پہلو دوسرے پہلو پر غالب نہ آجائے یا کوئی پہلو دب کر نہ رہ جائے، اور یہ بات رابطہ ادب اسلامی کی طرف سے منعقد ہونے والے مذاکرات علمی کے موضوعات پر ایک نظر ڈالنے سے (جو تعمیر حیات ہی کے سابقہ شماروں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں) بہت واضح اور صاف طریقے پر سامنے آتی ہے، چنانچہ اب تک رابطہ کے ۲۱ سیمینار منعقد ہوچکے ہیں اور یہ بائیسواں سیمینار ہے۔

رابطہ ادب اسلامی کے اب تک کے ہونے والے سبھی سیمیناروں کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور اہل علم ودانش ادباء نے انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا، اس طرح ان سیمیناروں نے ادبی وعلمی سرمایے میں ایسے مضامین ومقالات کا اضافہ کیا جن کا علمی حلقوں میں ایک وزن اور قدر وقیمت ہے۔ اب تو اردو زبان سارے ہندوستان کی عوامی زبان بن چکی ہے اگرچہ شمالی ہند میں دیگر علاقوں کی بہ نسبت زیادہ مقبول اور رائج ہے لیکن جنوبی اور مغربی ہند کے مسلمان بھی یہ زبان سمجھتے اور اس میں اپنا مافی الضمیر ادا کرتے ہیں، اور یہ لسانی اور معنوی امتزاج اس زبان کی شناخت بن گئی ہے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ یہ ہندوستان کی سرحدوں سے تجاوز کرکے ممالک عربیہ اور یورپ تک پہنچ گئی ہے، چنانچہ عرب یا یوروپین ممالک میں جب ہم ایک بڑی تعداد کو یہ زبان بولتے ہوئے سنتے ہیں جہاں زندگی کے مختلف شعبوں میں ہندی الاصل اور ہندوستانی لوگوں کی اچھی خاصی تعداد موجود نہیں ہے تو ہمیں اس پر ذرا بھی حیرت نہیں ہوتی۔

رابطہ ادب اسلامی ایک عالمی تنظیم ہے جس کا بنیادی مقصد، آرٹ اور اخلاق، مذہب اور ادب، علم اور ادب، فکر اور خیال اور ان تمام شعبوں میں کام کرنے والوں کے درمیان ربط اور تعلق پیدا کرنا ہے اس کا مقصد لطف اندوزی، ذہنی تفریح، سستی تفریح، رعنائی خیال اور زور بیان وخوبی عبارت تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد اس سے بہت بلند اور اعلیٰ وارفع ہے اور وہ ہے انسانی زندگی کی تعمیر وتشکیل مکارم اخلاق کی اصلاح ودرستگی، اور انسان کی صلاحیتوں کو دوسرے انسانوں اور انسانیت کی فلاح وبہبود میں صرف کرنا، اور زبان وقلم کو ان کی آلائشوں اور خرابیوں سے پاک کرنا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ زبان وقلم کے غلط استعمال سے ہر دور میں انسانوں پر مصیبتیں اور پریشانیاں آئی ہیں، کیوں کہ پیشہ ور ادیبوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ادب نام ہے محض اندرونی خیالات وجذبات کو دوسروں کے سامنے پیش کردینے کا۔ خواہ اس کا اثر قلب اور معاشرے پر اچھا خراب کچھ بھی پڑے۔

ادب کا مقصد، اس کی غرض وغایت اور اس کے راستے کی تعیین ووضاحت کے اسی مقصد سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اس رابطہ کی

بنیاد ڈالی تھی، کیونکہ ادب ایک دودھاری تلوار ہے اس سے خیر کا بھی کام لیا جاسکتا ہے اور شر کا بھی۔ یہ انسانی اخلاق وکردار کی تعمیر کا بہترین وسیلہ ہے اور لوگوں کو انسانی اخلاق کی نج نج کی ڈگر سے ہٹا کر تعمیر وتشکیل اور اصلاح ودرستگی کی شاہراہ پر ڈالنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے، اور قوت گویائی اور اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کی صلاحیت وطاقت اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مدح کے طور پر ذکر فرمایا ہے ﴿خلق الانسان، علمه البیان﴾ (سورۃ رحمٰن ۳-۴) اور حدیث میں اس کی اثر انگیزی اور خوبی کی بنا پر اسے جادو سے تعبیر کیا گیا ہے ﴿وان من البیان لسحرا﴾۔ اور اگر ہم موجودہ ماحول اور اس میں در آنے والی خرابی وبگاڑ اور اخلاقی انارکی کا جائزہ لیں تو صاف معلوم ہوگا کہ اس قدر پستی، بگاڑ اور انتہائی خرابی کا اولین ذمہ دار یہی ادبی صلاحیت کا غلط استعمال ہے، اس لئے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اس صلاحیت اور طاقت کو جس کے دائرہ کار اور اثر انگیزی کو موجودہ ذرائع ابلاغ نے بہت وسیع کر دیا ہے اس کے فطری رخ کی طرف واپس لایا جائے اور اس سے انسانی زندگی کی تعمیر وتشکیل اور اس کی عزت وحرمت بحال کرنے کا کام کیا جائے۔

مذکورہ بالا اغراض اور مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے اس رابطے کا قیام ۱۹۸۵ء میں عمل میں آیا، اس کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی گئی جس میں ہند اور بیرون ہند سے اور خاص طور پر عالم عربی کے مختلف گوشوں سے چوٹی کے علماء، ادباء اور شعراء حضرات بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ اس کے دو مرکزی دفتر ہیں، ایک عالم عرب کے لئے ریاض سعودی عرب میں اور دوسرا برصغیر اور ممالک مشرقیہ کے لئے لکھنؤ میں۔ پھر ان دونوں کی ان کے علاقوں میں مختلف شاخیں اور فروع ہوئیں اور ہر فرع سیمیناروں اور کانفرنسوں کے انعقاد، کتابوں اور ماہنامے اور سہ ماہی مجلات ورسائل کی نشر واشاعت اور اسلامی ادب پر مضامین ومقالات کے ذریعہ ادبی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں اور افسانے، ناول، تنقید، ادبی تاریخ اور دلکش ادبی انتخابات پر مشتمل متعدد کتابیں دونوں علاقوں سے منظر عام پر آچکی ہیں۔

یہ ہے رابطہ ادب اسلامی کی کارگزاری کی مختصر روداد اور ادب اسلامی کی اہمیت وافادیت کی تصویر۔ اس سیمینار سے رابطہ کے تعارف اور اس کا دائرہ کار وسیع ہوگا اور اپنی ذمہ داریوں کے انجام دہی میں اس کو تقویت ملے گی اور ذہنی تشکیل، نفوس کی تربیت اور ادبی وفنی عمل کی اہمیت میں ان شاء اللہ اضافہ ہوگا اور ہم "کلمۂ طیبہ" کے حاملین کے مصداق ہوں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے ﴿الم تر کیف ضرب الله مثلاً کلمة طیبة کشجرة طیبة، أصلها ثابت وفرعها فی السماء، تؤتی أکلها کل حین باذن ربها﴾۔ (سورہ ابراہیم: ۲۴-۲۵)

پاک مکرم ﷺ

حضرت جگر مرادآبادی

ہر زمانے میں پیمبر بھی نبی بھی آئے — مصلح ملتی و ملکی بھی رشی بھی آئے
حق کے جو بندہ بھی حق کے ولی بھی آئے — واقف محرم اسرار خفی بھی آئے
آئے دنیا میں بہت پاک مکرم بن کر — کوئی آیا نہ مگر رحمتِ عالم بن کر
کس نے جام مئے توحید پلایا سب کو — کس نے پیغام مساوات سنایا سب کو
راستہ کس نے حقیقت کا دکھایا سب کو — کس نے اس حسن کا دیوانہ بنایا سب کو
تم نے دیکھا ہے بہت دفتر پیغام اس کا — اور ایسا کوئی گذرا ہو تو لو نام اس کا
کوئی صدیقؓ سا گذرا ہو تو للہ دکھاؤ — تم نے فاروقؓ سا دیکھا ہو تو للہ دکھاؤ
کوئی عثمانؓ سا آیا ہو تو للہ دکھاؤ — کوئی حیدرؓ سا جو پایا ہو تو للہ دکھاؤ

ثانی احمدؐ ذیشان تو کیا لاؤ گے
اس کی امت کی مثالیں بھی نہیں پاؤ گے

امام بخاریؒ کی "الأدب المفرد" کی اردو میں شرح وترجمانی

"ارشاداتِ نبوی کی روشنی میں نظامِ معاشرت (جلد اول)"

از

حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

(معتمد تعلیمات، ندوۃ العلماء لکھنؤ)

صفحات ۴۲۴ قیمت ۱۶۰ روپے

ناشر: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام،

پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ

ملنے کا پتہ:

مکتبہ ابوالحسن علی

۴۱۸۲، اردو بازار، جامع مسجد

دہلی-۱۱۰۰۰۶

ملی مسائل

اقلیتوں کے تعلیمی مسائل

از: جناب مولانا محمد ولی رحمانی صاحب

آج صبح کے سیشن میں وزیر اعظم محترم ڈاکٹر منموہن سنگھ نے اقلیتوں کی تعلیمی ترقی اور اقلیتی اداروں کی منظوری کی دشواریوں کو دور کرنے کی غرض سے اقلیتوں کے لئے تعلیمی کمیشن بنانے کا اعلان کیا، اور یہ پہلا تعلیمی تحفہ ہے جسے انہوں نے اقلیتوں کو دینا چاہا ہے۔ اقلیتی تعلیمی کمیشن ایک خوش آئند پروگرام اور ایک کارگذار فعال ادارہ ہوسکتا ہے، اس کمیشن کی جو تفصیل وزیر مملکت برائے فروغ انسانی وسائل جناب علی اشرف فاطمی نے اپنی استقبالیہ تقریر میں بتائی ہے، اسے کمیشن کی بنیاد بنانا چاہیے، ایسا کمیشن جسے اقلیتی تعلیمی اداروں کو منظوری دینے، منظوری کے لئے قابل عمل شرائط طے کرنے، اقلیتی اداروں کو ترقی دینے کی راہ ہموار کرنے، امتحان کے اصول اور طریقہ کار مرتب کرنے اور تعلیم کے معیار کو بلند کرنے اور بلند رکھنے کا اختیار ہو، اور دستور ہند کی دفعات کی روشنی میں ہر ایک اقلیتی ادارہ کی داخلی آزادی کو برقرار رکھنے کی پالیسی پر خود کمیشن عمل کرتا رہے، ساتھ ہی یہ ایک مستقل قانونی تحفظ اور آئینی حیثیت رکھنے والا خود مختار ادارہ ہو تو یہ اقلیتوں کے لئے مفید اور قابل قبول ہوسکتا ہے۔

بڑے ادب کے ساتھ عرض کروں گا کہ، اقلیتوں کو اور پورے ملک کو کمیشنوں، کمیٹیوں اور پینل کے تجربات ہوتے رہے ہیں، اور وہ کچھ خوشگوار نہیں ہیں، گوپال سنگھ، گجرال کمیٹی، سید حامد کمیٹی اور دوسری کمیٹیوں کو لوگوں نے آرزو بھری نگاہوں سے دیکھا تھا، مگر نتیجتاً حسرت کے سرمایہ میں اضافہ ہی ہوا۔ کام کی بات جہاں تھی وہیں رہی، گاڑی ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھی، اب یہ اقلیتی تعلیمی کمیشن اگر بنے تو کام کا بنے، کام کے لئے بنے۔

مدرسہ ایجوکیشن:

مدرسہ ایجوکیشن پر رہ رہ کر بات اٹھتی رہتی ہے آج بھی کانفرنس میں مدرسہ کی تعلیم، نظام اور نصاب پر اظہار رائے کیا گیا ہے، یہ مدرسہ کی تعلیم کی زندگی، اور عوام پر اس کے اثرات کا طفیل ہے کہ بات چلتی جہاں سے ہو پہونچتی مدرسہ تک ضرور ہے، مدرسہ ایجوکیشن کو تختۂ مشق ضرور بنایا جاتا ہے۔ مدرسہ کی تعلیم پر اکثر وہ لوگ اظہار خیال کرتے ہیں، جو مدرسہ کے نظام، نصاب سے واقف نہیں ہیں، جنہوں نے مدرسہ کی تعلیم حاصل نہیں کی جو مدرسہ کی معیاری نصابی کتابوں کی ایک سطر پڑھ نہیں سکتے اور جو مدرسہ کے مقصد اور منزل کی عظمت اور اہمیت سمجھنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اب کیا کہئے، پانی سے دور رہ کر شناوری کا ارادہ لائق تحسین تو ہوسکتا ہے، قابل عمل ہرگز نہیں۔ اگر کوئی عالم دین ایم بی بی ایس (M.B.B.S) نصاب پر تبصرہ کرے، مدرسہ کا فاضل ایم سی اے (MCA) کا کورس مرتب کرنے لگے، تو مضحکہ خیز حرکت سمجھی جائیگی، برا نہ مانئے۔ یہی حال مدرسہ کے نصاب پر دانشوروں کی رائے کا ہے۔

ہمارے یہاں بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ ہے، یہ سرکاری ادارہ ہے، جس کی نگرانی میں سولہ سو سے زیادہ باقاعدہ منظور شدہ مدارس تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں، درج فہرست مدارس کی تعداد تقریباً تین ہزار ہے، بہار سرکار نے اس بورڈ کے تحت چلنے والے مدارس کا نصاب مرمت کرنا چاہا، تو ایک کمیٹی بنادی، اب غور فرمایئے، مدرسہ کے نصاب کی مرمت کی کمیٹی جو بنی اس میں ایک بھی عالم نہیں، اور اللہ بھلا کرے دانشوری کا، ایسی کمیٹی بنی کہ جس میں پانچ ارکان محترم ایسے ماہرین علوم مدرسہ تھے جو عربی اور فارسی تو دور کی بات، اردو لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے، انہوں نے قاعدہ بغدادی بھی نہیں پڑھی تھی، لیکن کمیٹی نے مستعدی سے کام کیا، اور مدرسہ کے نصاب میں کتابوں اور مضامین کا سماویش ہوگیا، اور قربان جایئے اراکین کے بلندیٔ پرواز پر، ایسی کتاب بھی نصاب تعلیم میں ٹانک دی، جو آج تک لکھی نہیں گئی۔ اور پھر جو نصاب تعلیم تیار ہوا وہ اتنا تضحیک آمیز اس قدر بوجھل کہ کتابوں کا علمی بوجھ طلبہ سے اٹھائے نہ اٹھے! برسوں سے یہی نصاب تعلیم تھوڑی بہت تبدیلیوں کے ساتھ مدرسہ بورڈ سے ملحق مدرسوں میں جاری ہے۔

تھوڑی دیر پہلے ایک صاحب فرما گئے، کہ تین چار سو سال سے مدرسہ کے نصاب میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، یہ زبان زوری کا وہ مرحلہ ہے جہاں حقیقتوں کو منہ چھپانا پڑتا ہے، یقین کیجئے، مدرسہ کے نصاب میں حسب ضرورت تبدیلی ہوتی رہی ہے، اور ہوتی رہے گی، مدارس کے ذمہ دار علماء کرام دینی تعلیم کی ضرورتوں اور زمانہ کے تقاضوں سے آگاہ ہیں، اور مطمئن رہئے وہ فکر وفہم میں پورے طور پر خود کفیل ہیں۔ اگر مدرسہ کے موضوع پر گفتگو کرنی ہے، تو مدرسہ کی تعلیم وتدریس کے ماہرین، علماء کرام سے گفتگو کی جارہی ہو، اس کے ماہرین مائیکرو اسکوپ Microscopic اقلیت میں ہوں، جیسا اس ہال میں نظر آرہا ہے۔

اگر مدرسہ کی تعلیم، تدریس اور نظام پر گفتگو کرنی ہے، اس کے معیار کو بلند کرنے کا جذبہ ہے اور بدلے ہوئے حالات میں مدرسہ کے مقاصد کو زیادہ مؤثر انداز میں طلبہ اور سماج پر منطبق کرنے کا نیک ارادہ ہے، اور اگر مدرسہ کی شہ رگ کو چھونے کا نہیں، پنڈلیوں کو مضبوط کرنے کا عزم ہے، قدموں کے اور جمانے کا حوصلہ ہے، تو مدارس کے دروازے اور علماء کے دل بھی اس کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ ایسے نیک کام کے

لئے مدارس کی تدریس اور تعلیم کے ماہرین سے گفتگو کی جانی چاہئے ،اس کے لئے علحدہ محفل سجانی چاہئے ، جہاں مدارس کے نمائندے بھی بڑی تعداد میں ہوں، ساتھ ہی دانشور اور یونیورسٹی ایجوکیشن کے ماہرین بھی!

اس کام کے لئے ایک ہائی لیول (High Level) کمیٹی بھی بنائی جاسکتی ہے ، جس کے کام کی تکمیل کی مدت تین چار ماہ ہو، اور جس میں آدھے سے زیادہ ارکان مدارس کی تدریس کا براہ راست تجربہ رکھتے ہوں ۔ ایسی کسی معیاری کمیٹی کا استقبال کیا جائے گا۔ اس کی رپورٹ کی روشنی میں حکومت مدارس کے معیار کو بلند کرنے کی تدبیر اپنا سکتی ہے ، اتنا یاد رکھئے ، کہ صرف نصاب تعلیم پر چوٹ کرنا اور جدیدکاری کی بات کرنا کسی مسافر کی غلط سمت میں رہنمائی کے برابر ہے!

اور جب مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم پر غور وفکر اور تبدیلی کی بات ہوگی ، تو پیشگی عرض کردوں کہ خوب کی جستجو بہت خوب ہے یہ جستجو ، قبلہ رو ہو اس کا خیال رہے ، تحویل قبلہ ہمارے لئے نہیں ہے ، یاد رہے کہ مدرسہ کے نصاب میں ترمیم کا مطلب مدرسہ کی منزل اور مقصد میں ترمیم نہیں ہے ، مدرسہ والے اپنے دامن میں گل بوٹے ٹانکنے کو تیار ہیں ، دامن بدلنے کے لئے آمادہ نہیں ہوں گے ، مدرسہ میں پڑھنے کا مقصد دین سیکھنا ہے ، دین میں مہارت حاصل کرنا ہے ، اور دین کا مزاج داں ہونا ہے ، یا قرآن پاک کی زبان میں تفقہ فی الدین کی نعمت حاصل کرنی ہے ، جو کتابیں اس راہ میں حائل ہوں جو کتابیں سمت قبلہ کو بدلنے کی راہ دکھائیں ، نہ وہ راہ ہماری ، نہ وہ کتابیں لائق توجہ!

اقلیتوں کی اعلیٰ تعلیم

لسانی اور مذہبی اقلیتوں کی اعلیٰ تعلیم خاص طور پر ٹیکنیکل تعلیم میں پچھڑا پن دور کرنا نہ صرف اقلیتوں کی ضرورت ہے ، بلکہ ملک کی اہم ضرورت ہے اس سلسلہ میں اعلیٰ تعلیمی اداروں میں داخلہ کی دشواریاں محسوس حقیقتیں ہیں ، اقلیتی طبقہ کے قائم کردہ اداروں کی منظوری کی پیچیدگیوں نے بھی اقلیتوں کے زیر انتظام اداروں کے کھلنے کی ہمت شکنی کی ہے ۔ بعض اداروں نے سخت جانی کا بھی ثبوت دیا ہے اور مختلف مرحلوں میں ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ کے ذریعہ انہیں راحت ملی ہے اقلیتی اداروں کی منظوری اور مختلف مرحلوں کی اجازت حاصل کرنے میں جو دشواریاں آتی رہی ہیں ان کی وجہ منظوری کی بے جا شرائط ، قانونی مشکلات اور دفتر کے طریقہ کار کے ساتھ ساتھ سرکاری افسروں کا جانبدارانہ رویہ بھی ہے ۔ موجودہ تعلیمی نظام ، دفتری طریقہ کار اور افسروں کی بیمار ذہنیت کو ٹھیک کرنا وقت طلب مرحلہ ہے ، ان مشکل مرحلوں پر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہئے ، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اقلیتوں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک قومی اقلیتی ٹکنیکل یونیورسٹی (National Minority Technical University) قائم کی جائے ، جو خود اعلیٰ ترین تکنیکی تعلیم کا نظم کرے ، اور اقلیتوں کے تکنیکل تعلیمی اداروں کی منظوری کے معیار کو متعین کرے ، انہیں منظوری بھی دے سکے ، اور جسے گرانٹ منظور کرنے اور اعلیٰ ڈگری دینے کا بھی اختیار ہو ، تعلیمی نظام میں فاصلاتی کورس کے کامیاب تجربوں کے بعد اقلیتوں کے لئے ایسے کسی بااختیار ادارہ اور نیشنل اقلیتی ٹکنیکل یونیورسٹی کا تجربہ کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد بھی ایک کامیاب تجربہ ہے ۔ لسانی اقلیت کے مسائل کو حل کرنے کے لئے اسی طرز پر بہار اور یوپی میں بھی اردو نیشنل یونیورسٹی کا قیام صحیح سمت میں مضبوط قدم ہوگا۔

اردو گھرانوں کے لئے اردو تعلیم

زیر غور اقلیتی تعلیمی کمیشن اور یونیورسٹیوں کا قیام قانون سازی اور پارلیامنٹ سے منظوری کا مرحلہ چاہتا ہے ۔ یہ لانبی اسکیمیں ہیں جن کے نفاذ میں وقت لگے گا ، قانونی پیچیدگیاں بھی رکاوٹ بن سکتی ہیں ، جب تک یہ مرحلے گذریں ، کچھ ایسے کام ہونے چاہئیں جن کی راہ پر پیچ نہ ہو اور ان کے اثرات جلد سامنے آجائیں

اتنا تو آسانی سے ہوسکتا ہے ، کہ سی ، بی ، ایس ای ، (C.B.S.E) سے ملحق جتنی بھی تعلیم گاہیں ہیں ، اردو بولنے والے علاقوں میں قائم اسی تعلیم گاہوں میں اردو اساتذہ بحال کئے جائیں ۔ خود سنٹرل اسکول ، نوادے دیالیہ ، سینک اسکول میں غیر مشروط طور پر اردو پڑھانے کا پختہ نظم کرلیا جائے ۔ اور ایچ آر ڈی کے محترم وزیر جناب ارجن سنگھ صاحب اپنے اثرات استعمال کرتے ہوئے اردو بولنے والے صوبوں میں ہائی اسکول کی سطح تک ہر درجہ میں اردو تدریس کا انتظام صوبائی حکومتوں سے کرادیں ، تو آنیوالے دنوں میں پڑھے لکھے سماج میں اردو کی بنیاد مضبوط ہوجائے گی۔

اس اہم مشورہ میں ایک نکتہ اور عرض کروں ، یہ شرط کہ اسکول میں چالیس طلبہ اردو پڑھنے والے داخلہ لے لیں ، یا ایک کلاس میں دس اردو طالب علم ہوں ، تو استاد کا نظم کیا جائے گا ، قطعاً نامناسب شرط ہے ، استاد ہوں گے تب تو طلبہ جمع ہوں گے ۔ دوکان پہلے کھولی جاتی ہے خریدار بعد میں آتے ہیں اس شرط کا مطلب یہ ہے کہ پہلے دس خریدار لائن میں کھڑے ہوجائیں ، تب دوکان کھولنے کا پروگرام بنے گا۔

اردو میں نصابی کتابوں کی اشاعت کا معاملہ بھی کسی قانونی پیچیدگی اور طویل دفتری مرحلوں سے گذرنے کا محتاج نہیں ہے ، بڑی حد تک کتابیں موجود ہیں ، ان کے چھپانے اور پہونچانے کا نظم کرنا ہے ، حکومت کے کسی ادارہ کو اسکی ذمہ داری دیجائے اور صحیح نگرانی ہو تو یہ مشکل نہیں ہے۔

بڑی اور چھوٹی عمر والوں کو اردو زبان پڑھانے کے لئے کتابیں اور پڑھانے کے طریقے بار بار تجربہ میں آچکے ہیں ، حکومت یوپی نے بھی برسوں پہلے اس کا کامیاب تجربہ کیا تھا ، جس سے اردو زبان میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بڑھی تھی ، اس کامیاب تجربہ کو مرکزی حکومت سرکاری اسکولوں اور NGOs کے ذریعہ پورے ملک میں پھیلا سکتی ہے۔

NCPUL ، کامیاب تجربہ

نیشنل کونسل فار پرموشن آف اردو لنگویج نے گذشتہ چند برسوں میں بڑا کامیاب اور نتیجہ خیز تجربہ کیا ہے ، اس ادارہ نے اپنی شرطوں اور اپنے معیار پر تعلیمی اداروں اور NGOs کے ذریعہ کمپیوٹر کی تعلیم کو پورے ملک میں عام کرنے کی قابل تقلید خدمت انجام دی ہے ، ڈاکٹر حمید اللہ بھٹ نے مرکزی حکومت کے ایک چھوٹے سے شعبہ کی چھوٹی سی کرسی پر بیٹھ کر پورے ملک کے اردو دانوں کو چونکا دیا ہے ، اردو اور کمپیوٹر کے رشتہ کو مستحکم کر کے انھوں نے نوجوانوں کے دماغ اور معدہ دونوں کو غذا پہنچائی ہے۔

کونسل نے کتابوں کی اشاعت کا بھی ریکارڈ قائم کیا ہے ، کتابوں کو قاری تک پہنچانے کے لئے نئے تجربات کئے ہیں ، نیشنل کونسل کے کاموں کو اور پھیلانا اور مزید معیاری بنانا چاہئے۔

اسی طرز پر اقلیتوں کی تعلیمی ترقی کے لئے نیشنل کونسل بنائی جاسکتی ہے ، اور پورے ملک میں مرکز کے تحت تعلیمی نظام قائم کیا جاسکتا ہے ! جن میں مدارس NGOs اور مختلف جماعتوں سے مدد لی جاسکتی ہے ، ہائی اسکول اور 2+ 10 تک کی معیاری تعلیم کا نظم موجودہ نیشنل کونسل بھی انجام دے سکتی ہے ، اور اپنی شرطوں اور اپنی ترجیحات پر تعلیمی اداروں کو قائم کرسکتی اور کھلوا سکتی ہے۔

اقلیتی کوچنگ سنٹر ، ایک بھولی ہوئی اسکیم

اقلیتوں کی تعلیمی ترقی اور علمی مقابلہ کا حوصلہ بڑھانے کے لئے برسوں قبل ۱۹۸۶ء میں اقلیتی کوچنگ سنٹر کے قیام کی پالیسی مرکزی حکومت نے بنائی تھی ، یو ، جی ، سی ، اور ویلفیئر ڈپارٹمنٹ (حکومت ہند) کے تعاون سے اسکیم کو سرزمین پر اترنا تھا ، کچھ کام بڑھا ، کچھ سینٹر قائم ہوئے مگر لال فیتہ کی جکڑ بندیوں اور کام کو انجام نہ دینے والے افسرانہ آداب نے اسکیم کو چلنے نہ دیا ، اس اسکیم کو زندہ کیا جاسکتا ہے ، اسے زندہ کرنے اور مفید بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اسکیم کے عملی پہلوؤں کو آسان بنوایا جائے ، کاموں کو سہولت کے ساتھ انجام دینے والے افسران بیٹھائے جائیں ، اور جذبہ یہ ہو کہ ہر ضلع میں سنٹر قائم ہوجائے تو اچھے نتائج کی لازمی توقع رکھنی چاہئے۔

دستور کی دفعہ ۲۹/۳۰ قانون کے شکنجہ میں

یہ بھی عجیب صورتحال ہے کہ اقلیتوں کو لسانی ، تہذیبی اور مذہبی آزادی دی گئی ہے ، اقلیتوں کو اپنی پسند کے ادارے کھولنے اور چلانے کا اختیار دیا گیا ہے ، جن کے لئے دستور ہند کی واضح دفعات موجود ہیں ، اور انہیں بنیادی حقوق کا درجہ دیا گیا ہے ۔ یعنی کوئی قانونی اور کوئی حکومتی سرکلران دفعات کو دبا نہیں سکتا اور نہ اس کی وسعت کو سمیٹ سکتا ہے ، مگر بنیادی حقوق کی ان دفعات کو ذیلی اور ضمنی قانون سازی کے ذریعہ عملاً محدود کردیا گیا ہے ، یا بے اثر بنادیا گیا ہے ، بعض مواقع پر یہ دفعات محض سرکاری سرکلر کے ذریعہ کالعدم کئے گئے ہیں۔

اقلیتوں کے تعلیمی اداروں کے قائم کرنے اور چلانے کے بنیادی حق کو بھی اسی طرح کے قانونی شکنجہ میں کس دیا گیا ہے ، اور ایسی صورت حال پیدا کردی گئی ہے کہ کسی بھی ایک اقلیت (چاہے لسانی ہو یا مذہبی) کے لئے کسی ادارہ کا قیام عملاً ناممکن یا بے حد مشکل ضرور ہے ، مثلاً کسی ایک کے فائدے کے لئے اگر ادارہ قائم کیا جائے ، یا مذہبی نوعیت کا ادارہ ہو ، تو سوسائٹی رجسٹریشن ایکٹ ۱۸۶۰ء کے تحت ان کا رجسٹریشن نہیں ہوسکتا۔

انکم ٹیکس کی دفعہ ۱۳/۱۲/۱۱ نے بھی بنیادی حقوق کی دفعات ۲۹۔۳۰ کو جھٹکا دیا ہے ، انکم ٹیکس سے استثنیٰ 80G صرف ان اداروں کو ملا کرتا ہے ، جو غیر مذہبی ہوں ، اور کسی ایک اقلیت (خواہ لسانی ہو یا مذہبی) کے فائدہ کے لئے نہ ہوں ، مذہبی یا کسی ایک اقلیت کو فائدہ پہنچانے والے اداروں کا انکم ٹیکس سے استثنیٰ تو دور کی بات ہے ، انکم ٹیکس میں انکار جسٹریشن بھی نہیں ہوسکتا ، اور اس طرح کے غیر رجسٹرڈ اداروں پر ٹیکس لگ سکتا ہے ، وہ بھی سورس (Source) پر ٹیکس لگے گا ، اپلی کیشن منظور (Allow) نہیں ہے ۔ یعنی کل آمدنی پر ٹیکس لگے گا ، اور اخراجات کو نظر انداز کردیا جائے گا ، ان قانونی نکتوں کی عملی شکل یہ ہوگی کہ اگر وہ غیر انکم ٹیکس میں غیر رجسٹرڈ ادارہ کی سالانہ آمدنی پچاس لاکھ روپئے ہے ، تو پندرہ لاکھ روپئے بطور انکم ٹیکس ادا کرنے ہوں گے ۔ اس طرح دستور نے مذہبی ، تہذیبی اور تعلیمی اداروں کے کھولنے اور چلانے کی جو آزادی دی ہے ، اور جسے بنیادی حق مانا گیا ہے ، اسے سوسائٹی رجسٹریشن ایکٹ کے دفتر میں مقید کردیا گیا ہے ، اور انکم ٹیکس ایکٹ کی دفعات نے انھیں بیڑیاں پہنادی ہیں ۔ سچ یہ ہے کہ یہ وہ مرحلے ہیں ، جہاں دستور بیچارہ اور غمگین اور ذیلی قانون جاندار اور تنومند نظر آتے ہیں۔

اگر اقلیتوں کی تعلیمی ترقی کی راہ نکالنی ہے ، تو دوسرے اقدامات کے ساتھ ان قانونی اڑچنوں کو ختم کرنا بھی ضروری ہے۔

میرا احساس ہے کہ مسائل کے ڈھیر تلے اقلیتیں اور حکومتیں دبی ہوئی ہیں ، ایک کو کہنے کا سلیقہ نہیں ، نئے عہدے کے آداب سے واقفیت نہیں ! دوسرے کو سننے کی چھٹی نہیں ، حال دل جاننے کی مہلت نہیں ہے !! آج کانفرنس کے ذریعہ جو موقعہ ملا ہے ، وہ بار بار ملے ، تو فاصلے بھی کم ہوں گے مسائل بھی حل ہوں گے مشترک طور پر جینے کا مزاج بنے گا مل جل کر ترقی کرنے کے مواقع بھی پیدا ہوں گے ۔ جس کا نتیجہ ہوگا مضبوط بھارت ، مطمئن عوام۔

اعتذار

قارئین تعمیر حیات کی خدمت میں عرض ہے کہ راقم آثم اپنے بڑے حقیقی بھائی کی وفات کی وجہ سے اپنے وطن مالوف سے تاخیر سے ندوہ لوٹا اس صورت میں تعمیر حیات کی کمپوزنگ ، پروف ریڈنگ ، مضامین کے انتخاب اور دیگر تمام ذمہ داریوں کو دو تین دن ہی میں نبٹانا تھا اس لئے ''رئیس التحریر کی میز سے'' اور ''آخری صفحہ'' لکھنے سے قاصر رہا۔ بھائی صاحب مرحوم کا غم بھی تازہ ہے نیز میری اپنی صحت بھی متاثر ہے۔ قارئین سے اس کے لئے معذرت ہے۔ (امین شجاع)

سفرنامہ

دیدار کوہ طور

از: جناب بہاء الدین صاحب حیدرآبادی

۲۴ مئی ۱۹۹۷ء شنبہ۔ آج یہ طے ہوا کہ کل سینائی کا سفر ہو یدار طور ہو، وہ جگہ، وہ میدان جہاں پر معرکۂ فرعون وکلیم کی سرگرمیاں تھیں۔ جن میدانوں کی صحرانوردی کے دوران قوم موسیٰ پر بیس انعامات اور نافرمانیوں پر بیس سزائیں نافذ ہوئی تھیں۔ وہ پیغمبر وہ قوم اور وہ زمین جس کا قرآن میں سب سے زیادہ ذکر کیا گیا ہے، اس سرزمین کے دیکھنے کی کسے خواہش نہیں! خصوصاً قرآن کے ایک طالب علم کے لئے تو اور بھی زیادہ آج اس کا موقع نصیب ہو رہا ہے زہے قسمت!!

کوہ طور کی سیر سے پہلے اس کی تاریخی وجغرافیائی کیفیت کو جاننا ضروری ہے کہ آخر یہ کوہ طور کس جگہ ہے اس علاقہ کا ماحول کیسا ہے اطراف واکناف کی جغرافیائی اہمیت کیا ہے اور یہ جگہ اب کس کے زیر نگرانی ہے کوہ طور جنوبی صحرائے سینائی کے ٹھیک وسط میں مشہور خانقاہ سینٹ کیتھرائن کے اطراف کی پہاڑیوں پر واقع ہے، صحرائے سینائی اور خانقاہ سینٹ کیتھرائن سے متعلق کچھ تفصیلات درج ہیں۔

صحرائے سینائی

یہ تاریخی صحرائی جزیرہ نما دوبارہ ۱۹۷۹ء میں حکومت مصر کے دائرہ اختیار میں آیا اس کے شمال میں خالص ریتیلا میدان ہے درمیانی حصہ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے بھرا ہوا ہے جہاں جنگلی ہرن بڑی تعداد میں پرورش پاتے ہیں، جنوب میں وجیہہ لیکن خطرناک ناقابل عبور بڑے بڑے پہاڑ کھڑے ہیں جو سرما میں برف پوش رہتے ہیں۔

۱۹۸۲ء میں ایک زمین دوز دورخی سڑک (عربی میں نفق کہتے ہیں) نہر سویز کے نیچے سے تعمیر کی گئی جو شمالی سویز کے علاقے میں ۱۷ کیلومیٹر (۱۱ میل) تک جاتی ہے جس نے سینائی میں داخلہ کا تمام نقشہ بدل کر رکھ دیا، بعض بہت ہی چھوٹے علاقوں کے سوا یہاں کے میدان زراعت کے بالکل قابل نہیں۔ البتہ سینائی دھاتی دولت جیسے تیل اور مینگنیشیم سے بھرا ہوا ہے اس کے تیل کے کنویں پورے مصر کی تیل کی پیداوار کا ۳/۴ سے زیادہ حصہ پیدا کرتے ہیں، سینائی معدنیاتی تاریخ کا سلسلہ قدیم مصر سے بھی ملتا ہے اس جزیرہ نما کے جنوبی حصہ میں قیمتی پتھر مینگنیشیم اور لوہے کی کانیں بھی تھیں۔ اور بعض علاقوں میں زمینی سطح پر کچھ تیل کے کانوں کے آثار بھی پائے جاتے تھے تار (Tar) یہاں سے باہر (Mummification) ممیوں کو محفوظ کرنے کے لئے ٹرانسپورٹ کیا جاتا ہوگا۔

ابتدائے تاریخ سے اس علاقہ کا تعلق مصری مذہبی اعتقادات سے رہا ہے، آئیسس (ISIS) نے جس مقتولہ اوسریس (Osiris) کے مثلہ کئے ہوئے جسم کو تلاش کیا تھا وہ جگہ یہیں تھی۔ محبت اور غذا کی یونانی دیوی ہیتھر (HATHOR) کا تعلق بھی اسی علاقہ سے تھا، اور فراعنۂ مصر اس کو "ہماری سینائی لیڈی" (Our Lady of Sinai) کہہ کر پکارتے تھے، تینوں توحید پرست عظیم مذاہب کے لئے بھی یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر صحائف عشرہ خداوند قدوس کی جانب سے نازل کئے گئے تھے، ہر جگہ کو ہ طور ہی تھی، کرسچن یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت بی بی مریم اپنے چھوٹے بچے (عیسیٰ) کے ساتھ ہیراڈ (Herad) کے تنگ کرنے کی وجہ سے فرار ہوتے ہوئے اسی راستہ سے گذری تھیں۔

خانقاہ سینٹ کیتھرائن:

ایک عرصہ قبل رومن برا سکیوٹرس سے بچنے کے لئے کرسچن اسی وادی سینا کی طرف چلے گئے تھے، اور چھٹی صدی میں ماؤنٹ سینائی (طور) کے ڈھلوان پر مشہور جگہ (Burning Bush) کے پاس خانقاہ سینٹ کیتھرائن کی بنیاد ڈالی (یہ جگہ جنوبی سینائی کے ٹھیک وسط میں واقع ہے) اور اسی نام سے وقف کر دی گئی۔

سینٹ کیتھرائن نامی نوجوان دوشیزہ تھی۔ جو قسم قسم کی انتہائی شدید جسمانی تکالیف برداشت کرتے ہوئے بھی اپنے مذہب (عیسائیت) سے نہیں پلٹیں، بلکہ ان خواتین کا بھی جن میں شہنشاہ میگزیمینیس (Meximinious) کی بیگم بھی شامل تھی مذہب تبدیل کروالیا (AD 305-313) جو اس کو سمجھانے اور پلٹانے کیلئے بھیجی گئی تھی ناقابل برداشت غصہ سے بھر پور شہنشاہ نے کیتھرائن کے جسم کو بڑے بہیمانہ انداز میں ایک تیز دھار یدار پہیہ کو باندھ کر چلوا دیا۔ تاکہ اسکا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے لیکن یہ لڑکی خدا کی قدرت سے معجزاتی طور پر بچ گئی آخرکار AD307 میں شاہی حکم پر اسکا سر قلم کر دیا گیا۔

اس خانقاہ کی رہبانیت کا طریقہ کار گرایک آرتھوڈکس (Greek Orthodox) پر ہے، اس بلڈنگ کی تعمیر دور وسطیٰ کے چھوٹے پہاڑی قلعوں کے طرز پر ہے، یہاں ایک عالمی شہرت یافتہ لائبریری ہے جس میں پرانے قلمی نسخے اور کتابیں ہیں یونانی تہذیب پر (2000) کے قریب قلمی نسخے ہیں، کئی سو لاطینی عربی فرنچ اور انگریزی مختلف تہذیبوں سے متعلق، امریکن، فرنچ، انگلش، پولش، ایتھوپین، کاپٹک کتابیں ہیں بعض کتابیں تو بہت قدیم ہیں، جن میں دنیا کی سب سے زیادہ مشہور کتاب (4th Century Codak Sincitiens) ہے، جس میں تمام Old Testament اور New Testaments کا کچھ حصہ دو اور Non Cononical works ہیں اس خانقاہ کے ساتھ ایک قدیم چرچ بھی ہے جہاں لائبریری، باورچی خانہ، ڈائننگ ہال، بشپ کے لئے گھر، پادریوں اور نس کے لئے مکانات، ایک مہمان خانہ (جس کے ۴۰ کے لگ بھگ کمرے ہیں جن کا ۴۰ مصری پونڈ کرایہ ہے) ایک خوبصورت باغیچہ ہے (کوہ طور پر جانیوالوں کے لئے

ہر کمرے سہولت بخش ہیں) Maintainance اچھا ہے۔

خانقاہ میں عوام کا داخلہ صبح ۹ تا ۱۲ رہتا ہے (سوائے جمعہ اور اتوار کے) داخلہ فیس کچھ نہیں۔ بلکہ عطیات وہدایہ وغیرہ نہیں قبول کئے جاتے۔ عوام صرف چرچ اور Burning Bush اور اس کے اطراف کا علاقہ دیکھ سکتے ہیں۔ لائبریری اور بعض مخصوص حصے جو عام وزیٹرس کے لئے کھلے نہیں ہیں، ان کے لئے خصوصی اجازت نامہ قاہرہ کے آفس سے حاصل کرنا پڑتا ہے۔ The Greek Orthodox office AL-Zahir, Cairo-18

۲۵ مئی یکشنبہ صبح سے روانگی کی تیاری شروع ہوگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر بلایا گیا تھا اور وہ چلے گئے تھے، یقیناً انہوں نے یہ اہتمام سفر نہ کیا ہوگا، ہو آج ہم کر رہے تھے، چونکہ پہاڑوں کی چڑھائی زیادہ تھی اس لئے پانی کے بوتل کولڈ ڈرنکس، بسکٹس اور کچھ از قسم Snacks رکھ لئے۔ لیکن سوال ان ساری چیزوں کا لادے لادے چڑھائی چڑھنا کارے دارد ہے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ کھیرا بھوک اور پیاس دونوں کا مداوا ہے، ٹھیک معلوم ہوا اور طے کر لیا گیا کہ چڑھتے وقت دو شیشے پانی چار چھ کھیرے رکھ لئے جائیں جملہ تین افراد کو چڑھنا تھا۔ بیٹا بہو اور ہم (لیکن اہلیہ اور ۴ سالہ پوتا بھی ساتھ تھے) بس میں رزرویشن کرا لیا گیا، قاہرہ سے سینٹ کیتھرائن تک کا فاصلہ ۴۵۰ کیلومیٹر ہے، ۱۲ بجے بس میں بیٹھے اور وہ روانہ ہوگئی، ایک گھنٹہ چلنے کے بعد شہر سویز نظر آنے لگا پورٹ ایریا بھی دکھائی دے رہا تھا شہر سویز پار کرنے کے بعد ہی نہر سویز کے نیچے Tunnel (جو تقریباً دو میل لمبی ہے) پار کر کے ہم خلیج سویز کے ساتھ ساتھ بائیں جانب سے جا رہے تھے، یہ ساحل میلوں تک ہمارے ساتھ ساتھ رہا، اور سڑک سے اتنا قریب کہ ہم سمندر سے ۱۰۰/۵۰ فٹ بلکہ کبھی کبھی تو ۲۰/۱۵ فٹ کے فاصلہ سے جا رہے تھے۔ کھاڑی ہونے کی وجہ سے سمندری مدوجزر بھی نہیں تھا اکثر جہاز آتے جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے، سیدھی جانب تو یہ سمندری مناظر اور بائیں جانب سخت چٹیل ریتیلا میدان تھا۔ ریتیلے ٹیلے جگہ جگہ نظر آ رہے تھے، ایک جگہ ساحل سمندر کے کنارے سے کچھ ڈیرے وغیرہ نظر آئے چہل پہل تھی، ایک بورڈ "Moon Beach" بھی نظر آیا۔ عارضی قیام کا انتظام بھی تھا ایک شہر اسی نام کا طور بھی ہے بورڈ پر لکھا تھا "طور ۱۲۱ کلو میٹر" ایک جگہ سے ہماری بس بائیں طرف کے روڈ پر مڑ گئی جو سینٹ کیتھرائن جاتی ہے یہاں سے بائیں طرف اب پہاڑی سلسلہ شروع ہو گیا تھا، سمندر میں تیل کے چشمے بھی نظر آئے، اور جہاز بھی کھڑے تھے، شاید تیل لے جا کر صاف کیا جاتا ہوگا، ساڑھے سات بجے کے قریب سینٹ کیتھرائن کے پائین کے بس اسٹینڈ پر اترے، اس سے پہلے شہر کے بس اسٹینڈ پر سارے مسافر اتر چکے تھے، ہم چار اور چار Foreigners یہاں اترے، بس اسٹینڈ پر کوئی سواری نہ تھی چرچ ۲ میل ہوگا لیکن تھوڑی سی چڑھائی تھی، اللہ کا نام لے کر سامان اٹھائے ہوئے چل پڑے اہلیہ کا چلنا مشکل معلوم ہو رہا تھا لیکن اللہ کا نام لیکر ہمت کر لی۔ ایک فرلانگ بھی نہ چلنے پائے تھے کہ اس سنسان سڑک پر (جو کوئی Through fare نہیں ہے) ایک گاڑی آتی ہوئی نظر آئی، وہاں بھی ڈرائیور کے ساتھ تنہا ایک بشپ بیٹھا ہوا تھا، ہاتھ بتانے پر گاڑی رکی، اور اس نے سب کو بیٹھا لیا، اللہ کا کرم ہی تھا جو یہی مدد آ گئی، حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب کی اس ربانی کا مطلب بھی آج سمجھ میں آ گیا اور آئندہ کیلئے رہبری بھی ہوگئی سختی رہ سے نہ ڈر، ہاں ایک ذرا ہمت تو کر گامزن ہونا ہے مشکل، راستہ مشکل نہیں کام کو خود کام پہنچا دیتا ہے انجام پر ابتداء کرنا ہے مشکل، انتہاء مشکل نہیں

پانچ منٹ کے بعد ہم خانقاہ کے استقبالیہ کے سامنے تھے، صاحبزادہ شعیب نے چار بستر والا کمرہ لے لیا پھر گائڈ سے بات ہوئی، مصری مسلمان تھا (یہاں سارے سیاح اور خانقاہ میں بھی عیسائی تھے) اس نے میری عمر ۷۴ سال سنکر کہا کہ آپ مت چلئے چڑھ نہیں پائیں گے چار پہاڑ بڑے بڑے چڑھنا ہے، میں نے اس کا شکریہ ادا کر کے کہا کہ انشاء اللہ چڑھ جاؤں گا، دریافت کرنے پر بتلایا کہ صحت مند چست وچالاک آدمی کے لئے سب سے اوپر کے پہاڑ کی چوٹی تک چڑھنا، وہاں آدھا گھنٹہ معائنہ ومشاہدہ پھر واپسی کے لئے کم از کم ساڑھے چار گھنٹے لگتے ہیں، ورنہ ٹھہرتے ٹھہراتے آرام لیتے اٹھتے بیٹھتے جائیں تو ۶، ۷ گھنٹے درکار ہوتے ہیں، نکلنے کا وقت ڈیڑھ بجے صبح ہوا، اس لئے کمرہ پر آ تانے کیا، کمرہ پر جب آئے ہیں تو ۱۱ بج گئے تھے، جلدی سے ڈائننگ روم جا کر کھانا کھا لیا، کمرہ پر آ کر سونے کی کوشش کی گئی جو لا حاصل رہی ڈیڑھ بجے گائڈ آ گیا ہم تیار ہو کر دو بجے کے قریب اللہ کا نام لے کر چل پڑے۔ اہلیہ اور پوتے صاحب کمرہ میں سوتے رہے اتنی ساری تھکن ہونے کے باوجود طبیعت میں جوش اور ولولہ تھا، خانقاہ کا احاطہ بھی بھول بھلیاں لگ رہا تھا، چکر کاٹتے ہوئے باہر نکلے، دو سو قدم چلنے کے بعد حدود محروسہ بھی ختم ہو گئے سامنے ۴، ۵ اونٹ بیٹھے ہوئے نظر آئے کرایہ لیکر اونٹ پر اوپر وہاں تک لے جاتے ہیں جہاں تک راستہ مسطح ہے لیکن چڑھائی ہے تقریباً تین پہاڑ باقی چڑھائی سیڑھیاں ہیں، تقریباً 2000 تو ہونگیں، تو یہ اونٹ والے جو مصری مسلمان تھے Camel جمل پکارنے لگے۔ ہم لا لا کہتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، اوپر لے جانے کے لئے اونٹ والے ۳۵ مصری پونڈ فی کس لیتے ہیں موسم الحمدللہ بہت اچھا تھا ہوا میں ہلکی سی خنکی ہم سوئٹر اور گرم ٹوپی پہنے ہوئے تھے محرم کی بیس تاریخ تھی صبح کے ۳ بج چکے تھے۔ چاند نے بھی بڑے غور سے دیکھنا شروع کر دیا تھا، اور چاندنی فرش راہ تھی، راستہ قدرے وادی سے چڑھائی کی طرف جا رہا تھا۔ وادی کی دوسری طرف سے دو ایک آدمی اور ایک اونٹ پیچھے کی طرف جاتے ہوئے ملے، شاید اذے پر جا رہے ہوں صبح ۲ بجے کے بعد سے قافلوں کا چڑھنا شروع ہو جاتا ہے، گروپ کے گروپ مختلف ممالک کے گورے مختلف زبانیں بولنے والے آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ہمارا قافلہ پہلا تھا، اور ہم تکبیر وتحمید باآواز بلند پڑھتے ہوئے چڑھ رہے تھے، میرے بائیں گھٹنے میں ہلکی سی کھٹک محسوس ہو رہی تھی، جو مکہ شریف اور مدینہ پاک میں بھی سیڑھیاں وغیرہ چڑھتے وقت کبھی کبھی مائل بہ تکلف کر دیتی تھیں، اسی کا ایک خدشہ تھا باقی صحت الحمدللہ اچھی تھی اللہ مالک ہے۔

کسی اونچی عمارت یا ٹیلے وغیرہ کو دیکھ کر کوہ پیکر کہتے ہیں، اگر کسی جگہ نہ صرف ایک کوہ بلکہ کوہ در کوہ

کا سلسلہ ایک پرایک ہوتو نہ معلوم اُسے کیا کہا جائے گا۔ اس کے لئے نام "کوہ طور" موزوں ہوگا، کسی پہاڑ پر چڑھنے کا راستہ عمودی نہیں ہوتا بلکہ ۴۵یا۶۵ ڈگری کا ہوتا ہے۔ اس سے راستہ کی لمبائی کچھ اور بڑھ جاتی ہے، تین بجے کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ پہاڑ پر چڑھ گئے ہیں لیکن سامنے دیکھا تو ایسا لگ رہا تھا کہ ایک پہاڑ اور کھڑا ہے، جس کے نیچے دامن میں ہم کھڑے ہیں، گائڈ نے بتلایا کہ اب اس پہاڑ پر چڑھنا ہے، محسوس ہوا۔ ہنوز روز اول است۔ یہاں ایک جھونپڑی بنی ہوئی تھی جس میں چائے کولڈ ڈرنکس وغیرہ فروخت ہوتے تھے ،اطراف میں تھوڑا سا مسطح علاقہ تھا، ان لوگوں نے چائے پی میں چائے نہیں پیتا فی پیالی ۲ پونڈ یعنی آگے بڑھیں گے دم لے کر۔

اب دوسرا مرحلہ شروع ہونیوالا ہے، نیچے سے کچھ آوازیں آرہی تھیں اور ٹارچس لائٹ بھی نظر آرہے تھے۔ معلوم ہوا کہ کچھ لوگ آرہے ہیں، ہم بھی آگے بڑھے، دس بارہ اونٹ (گوری) سواریوں کو لے کر ہم سے آگے بڑھ گئے، کچھ لوگ بھی تیز تیز آکر ہم سے آگے ہوگئے۔ راستہ اب پتھریلا شروع ہوگیا تھا، ۱۲تا۱۶ انچ کے پتھر کے ٹکڑے اوندھے سیدھے پڑے ہوئے زمین میں دھنسے ہوئے پڑے تھے، احتیاط سے گذرتے رہے بعض جگہ تو راستہ اتنا خطرناک ہوگیا تھا کہ بازوؤں سے بڑے بڑے پتھروں کو جمع کر کے چھوٹی سی دیوار کھائیوں کے منہ پر بنادی گئی تھی، اس راستہ پر جو بھی کام ہوا ہے وہ سب چرچ اور خانقاہ کی طرف سے ہے، گورنمنٹ کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے، سنا حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عمال سے کہہ دیا تھا کہ اس علاقہ کی یونانی عبادت گاہوں اور ان کے مقبوضہ مذہبی علاقوں میں مداخلت نہ کی جائے، اور یہ لوگ بھی کسی حکومتی معاملات میں شریک ودخیل نہیں ہوتے نہ حکومت مقامی سے کوئی گرانٹ وغیرہ لیتے ہیں۔ سارے اخراجات یونانی چرچس چلاتے ہیں، بڑے اصول پسند لوگ ہیں، زیادہ باتیں وغیرہ بھی نہیں کرتے، کالا لباس پہنتے ہیں، عورتوں کو بھی غیر ساتر لباس میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا بلکہ وہاں رہنے والی خواتین کا لباس

تو ہمارے برقعہ کی طرح ہے، عجیب خاموش اور سہما ہوا ماحول لگتا ہے۔

چڑھتے چڑھتے تھک گیا تھا، اس لئے کچھ باتیں کرلیا، اب کچھ اور لوگ ہم سے تیز نکل کر آگے بڑھ گئے، ایک گھنٹہ اور گذر گیا، رفتار اور چال ڈھیلی پڑ گئی، دُعا مانگ رہا تھا کہ اللہ پاک عزت رکھ لے، اور عافیت بھی نصیب فرمائے نیند کا غلبہ الگ تھا، میں جاگنے کا عادی نہیں، اس لئے بھی تکان ہوگئی تھی، اب ہر دس پندرہ منٹ بعد بیٹھنا اور آرام لینا ضروری ہوگیا تھا، یا اللہ ابھی آدھا راستہ اور باقی ہے، اور ابھی سے اوسان خطا ہو رہے ہیں، ایک پرانا مقولہ، ہمت مرداں مدد خدا۔ یاد کرتے ہوئے قدم بڑھاتے رہے اب نوبت یہ تھی کہ قدم بقدم سانس پھول رہی ہے، کیفیت بڑھ جائے تو بیٹھ جاتے ہیں پھر سانس ٹھیک کر کے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، مستعد لوگوں کی ٹولیاں آگے بڑھتی چلی جارہی تھیں، ان میں بعض ضعیف بھی تھے، اکثریت یورپی گوروں کی تھی بعض مشرقی انڈونیشیائی، ملیشیائی جاپانی وغیرہ بھی نظر آئے، آخر کار ایک مقام ایسا آگیا، جہاں مسطح راستہ ختم ہوگیا اور بے ڈھب اور بے ڈھنگی سیڑھیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا اونٹوں کی حد بھی یہیں تک تھی ساری سواریاں اتر گئیں۔ ابھی ڈیڑھ پہاڑ کے قریب سیڑھیوں کا راستہ باقی تھا مسطح راستوں کی بہ نسبت یہ سیڑھیاں زیادہ عمودی شکل میں ہیں۔ راستہ میں دو تین چائے خانہ اور ملے اب میں تھک کر چور ہوگیا تھا، سیڑھیوں کی چڑھائی سانپ کے منہ کا چھچھوندر بن کر رہ گئی تھی "نہ نگلے بنے نہ اُگلے بنے" بڑھاپے کا احساس بڑھتا چلا جارہا تھا، زندگی میں یہ کیفیت پہلی دفعہ تھی۔ ورنہ ہر محنت کے کام میں ساتھیوں سے آگے رہتا، وزن اٹھانے، چلنے دوڑنے، چڑھنے اترنے میں الحمدللہ پیچھے نہیں رہتا تھا، مگر آج زبان سے نکل رہا تھا "ہائے جوانی" اسلم میاں کا سہارا لے کر سیڑھیاں چڑھ رہا تھا، تھوڑی تھوڑی دیر بعد دم لے لیتا، صاحبزادے نے یہ حال دیکھ کر خطرہ محسوس کرتے ہوئے کہا کہ بابا! اوپر وہاں ہوٹل نظر آتی ہے، آپ وہاں جایئے گا، گائیڈ ساتھ رہے گا، خدارا اوپر مت چڑھیے ہم واپس ہوتے ہوئے لے لینگے آرام کر لیجئے، وہاں پہنچ کر میں نے ان دونوں کو اجازت دیدی اور خود گائڈ کے ساتھ ٹھہر گیا نماز فجر ۵ بجے راستہ میں پڑھ چکا تھا۔ لوگ تیز تیز اوپر چڑھ رہے تھے کہتے ہیں طلوع شمس کا منظر اوپر سے بڑا شاندار رہتا ہے اب ایک چھوٹا پہاڑ اور رہ گیا تھا، میں نے اپنے حواس جمع کئے، اپنے کوٹھولا، زندگی کے گذرے ہوئے اپنے چند نازک لمحات کو یاد کیا، جبکہ غیر معمولی ہمت کا ثبوت دیا تھا۔ سوچا کہ جب ہمت کر کے یہاں تک چلا آیا ہوں تو آخری لمحہ میں کیوں ہمت ہار رہا ہے۔

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

حواس مجتمع کر کے اٹھا گائیڈ تعجب سے دیکھ رہا تھا، میں نے کہا حسین، تعال۔ پھر بسم اللہ کہہ کر اس کے کندھے تھامے ہوئے چڑھنے لگا۔ ساڑھے پانچ بجے کے قریب اسلم میاں ۱۰۰، ۱۵۰ فٹ اوپر بیٹھے ہوئے نظر آئے، لوگ افق کی جانب نظریں لگائے ہوئے تھے، ہم بھی رُک کر ادھر دیکھنے لگے، کنارۂ فلک زرد نظر آنے لگا تھا، پھر زرد تر ہوا، کنارے سے ایک چمکدار لکیر نظر آئی جو نیڑھی تھی، پھر کچھ حصہ سورج کا نظر آنے لگا جو چاند کی طرح تھا، ہوتے ہوتے تین منٹ میں سورج کی ٹکیہ صاف نظر آرہی تھی تمازت نام کو نہیں تھی، پھر اُس ٹکیہ سے کرنیں پھوٹنے لگیں، طلوع شمس کا منظر سامنے تھا، بڑا سہانا اب میں بحمدللہ اوپر کی چوٹی پر پہنچ چکا تھا۔ اسلم میاں خوش ہوگئے، اوپر ایک چھوٹا سا چرچ بنا ہوا ہے، لگ بھگ سو کے قریب عیسائی وہاں عبادت میں مصروف نظر آئے۔ بازو ایک چھوٹی سی مسجد بھی تھی، میں جاتے ہی مسجد میں لیٹ گیا، پندرہ منٹ میں آنکھ بھی لگ گئی اسلم میاں نے آکر جگایا کہ بابا! چلئے۔ اُترنے میں دیر لگے گی، دھوپ بڑھ جائے گی، تیمم کر کے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کی طبیعت کچھ ہلکی ہوگئی تھی، مسجد سے نیچے اُتر کر اس مقام پر آئے جہاں خداوند قدوس کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات چیت ہوئی تھی، ربّ ارنی پر لن ترانی کا جواب ملا تھا۔ پھر تجلی ربانی کے ظہور پر حضرت موسیٰ غش کھا کر پچھلی چٹان پر گر پڑے تھے اس چٹان پر حضرت موسیٰ کے سر کے پچھلے حصے اور جسم کے اس حصہ کا جو چٹان پر گرا تھا، نشان اب تک نظر آتا ہے واللہ اعلم اس کے سامنے ایک پہاڑ ہے جس پر تجلی ربانی کا ظہور ہوا تھا (اطراف کے تقریباً پندرہ پہاڑ جن کی چوٹیاں بلند اور اونچی بھورے رنگ کی تھی) جلا ہوا بالکل سیاہ علانیہ محسوس ہوتا ہے کہ کسی ناقابل برداشت وزن کی وجہ سے اندر کی طرف دھنسا ہوا، اور پہاڑ کی چوٹی تو سرے سے غائب۔ اُبھار ایک گولائی لئے ہوئے، جیسے کسی گوندھے ہوئے آٹے سے ایک ٹیلا سا کمرا جس کی چوٹی کو ہاتھ سے نیچے دبادیں۔ ایسا کہا بھی جاتا ہے اور علانیہ محسوس بھی ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بہرحال قرآن کریم کے ان حصوں کو پڑھ کر جن میں حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کا ذکر ہے (تقریباً ستر مقامات کا تذکرہ ہے) خیال ہوتا تھا کہ کبھی موقع ملے تو ان مقامات کو دیکھا جائے، حالات سازگار ہوئے صحت نے ساتھ دیا، اللہ نے فضل فرمایا ایک خواہش پوری ہوئی کہ یہ مقام تکلیم موسیٰ ہے، قرآن پاک میں اس کا ذکر حضورؐ کے مولد ومسکن ومحل نزول وحی (مکہ) کے ساتھ آیا ہے (سورۃ والتین) اس بے بصیرت کو تو نہ کوئی تجلی نہ انوار، اندھے گئے، اندھے آئے، مجسم تقصیر اللہ تعالیٰ معاف فرمائے واپسی شروع ہوئی سیڑھیاں اترتے وقت بھی حُسین گائڈ کا سہارا لیا ہوا تھا بہت تکلیف سے، ایک دور بچپن کا تھا کہ قلعہ دولت آباد کی ۳۵۰ سے زائد سیڑھیاں دو دو بار چڑھتے اترتے تھے، اس کے بعد کے دور میں ہندوستان کے کئی اونچے اونچے تھے مقامات چڑھ گئے ۱۹۸۱ء میں بحمدللہ غار حرا اور غار ثور پر چڑھنا نصیب ہوا، بے شک غار ثور کے پہاڑ کی چڑھائی بھی قابل لحاظ اونچی ہے لیکن کوہ طور اللہ اکبر، گھر بیٹھے اندازہ کر ہی نہیں سکتے۔

سیڑھیاں تو سہارا لے کر بیٹھتے اٹھتے تقریباً پون گھنٹے میں اُتر گیا۔ اب مسطح راستہ بھی چلنا بار تھا پیر درد سے بے دم ہوگئے تھے تھوڑی تھوڑی دور پر اونٹ والے تھے، آخر کار ایک اونٹ پر ۲۰ مصری پاؤنڈ دیکر سوار ہوگیا، الحمدللہ نیچے اُتر آیا۔ کمرہ پر جب آیا، پونے نو بجے تھے، دادی پوتے منتظر بلکہ متفکر تھے۔ مختصر داستان سنائی اور لیٹ گیا آنکھ لگ گئی۔ آدھ گھنٹے بعد وہ دونوں بھی آگئے Burning Bush ایک چھوٹی پہاڑی پر ہے جو قریب ہی وادیٔ طویٰ میں ہے ایک قدآدم دیوار سے اس کو محصور کر دیا گیا ہے، اب تک اس درخت کے پتے اور تنا ہرے ہیں۔ پت جھڑ میں پتے گرتے ہیں اور موسم بہار میں تازہ پتے نکلتے ہیں۔ اسی جگہ حضرت موسیٰ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام نازل فرمائے۔ اور ابتدائی دو معجزے عصا اور ید بیضا نشانیوں کے طور پر دیئے۔ اور یہی وہ پاک وادیٔ طویٰ ہے جہاں پر موسیٰ کو اپنی جوتیاں اتار ڈالنے کا حکم ہوا تھا۔ (پارہ ۱۶ سورہ طٰہٰ آیات ۱۰تا۱۲)

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

"جس وقت موسیٰ آگ لینے درخت کے قریب جاتے اس میں آگ بھڑک اٹھتی اور درخت آگے بڑھ جاتا اس کی سرسبزی اور بڑھ جاتی آگ سے ڈر کر وہ پیچھے ہٹتے تو آگ آگے بڑھتی۔ اسی کشمکش میں اور حیرت ودہشت کے عالم میں آواز آئی "انی انا ربک" گویا وہ درخت بلاتشبیہ اس وقت ٹیلیفون کا کام دے رہا تھا (از تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ)

ایک ٹمپو خانقاہ سے سیدھے قاہرہ جارہا تھا، اس میں صرف چار لوگ تھے، اس سے اس شرط پر ہم نے طے کیا کہ من وسلویٰ والے مقام اور اسرائیلی چٹان کو بتلاتے ہوئے لیجائے۔ ۱۱ بجے ہم خانقاہ سے واپسی کے لئے نکل گئے، اور اس مقام پر گئے جہاں ایک پتھر میں تراشا ہوا (سامری والا بچھڑا جس کا سر ٹوٹا ہوا تھا) رکھا تھا۔ اسی کے قریب میدان میں بہت سے پرندے اُڑتے ہوئے نظر آئے۔ اور دو مخصوص درخت بتلائے گئے جن کے اطراف "من" جو شہد کی طرح گرتا تھا، اور پرندے وہی سلویٰ ہیں جو شام کے وقت بنی اسرائیل پکڑ کر کھاتے تھے۔ (سورہ بقرہ آیت ۵۱۔۵۷)

اس کے بعد ہماری واپسی ہوئی، الحمدللہ ٹمپو والے نے ۶ بجے سے قبل قاہرہ اسلم میاں کے مکان "امین الشمس" پر لا کر چھوڑ دیا۔ اور بفضل خدا سفر طور ختم ہوا۔

سینٹ کیتھرائن سے معاہدہ

ہجرت کے چھٹے برس رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے سینٹ کیتھرائن متصل کوہ سینا کے راہبوں اور تمام عیسائیوں کو ایک فرمان عطا فرمایا۔ جو آزادی اور حقوق کی اپنی ایک مثال ہے، آپ ﷺ نے تحریر فرمایا۔

"جو قلیل وکثیر اشیاء (منقولہ وغیر منقولہ) ان کے گرجاؤں، نمازوں اور رہبانیت کی ان کے تحت ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کے بمسایہ ہیں۔ وہ سب انہیں عیسائیوں کی رہیں گی۔ (یعنی باوجود اسلام نہ لانے کے اُن سے کچھ نہ لیا جائے گا) نہ کسی پادری کو اُس کے منصب سے بدلا جائیگا۔ نہ کسی کاہن کو اُسکی رہبانیت سے، نہ کسی پادری کو اُس کی کہانت سے، نہ اُنکے حقوق میں کوئی تغیر کیا جائے گا۔ اور نہ اُن کی سلطنت میں یا اُس چیز میں جس پر وہ تھے۔ جب تک وہ خیر خواہی کریں گے اور جو حقوق اُن پر واجب ہیں، اُنکی اصلاح کرینگے۔ تو نہ ان پر کسی ظلم کا بار پڑیگا اور نہ وہ خود ظلم کرینگے۔" حضرت مغیرہؓ نے اس معاہدہ کو قلم بند کیا۔

یہ معاہدہ لفظاً ومعناً حریت، رواداری اور مساوات کا اتنا عظیم چارٹر ہے۔ جس کی نظیر تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے، انکی روسے عیسائیوں کو ایسی مراعات حاصل ہوگئیں، جو اُنکو اپنے حکمرانوں کے عہد میں بھی حاصل نہ تھیں، اس معاہدے کی عدم تعمیل کروانے والے مسلمانوں کو سخت سزا کا مستحق قرار دیا گیا۔ ایسا مسلمان اللہ کے عہد کو توڑنے والا، اُسکے احکامات کی خلاف ورزی کرنیوالا اور اپنے دین کو ذلیل کرنیوالا خیال کیا جائیگا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عیسائیوں کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ اور یہی ذمہ داری اپنے پیروکاروں پر ڈالی ہے۔ ان پر بے جا ٹیکس عائد نہیں کئے جائینگے، کسی بشپ کو اسکی خانقاہ سے نہیں نکالا جائیگا۔

یہ معاہدہ رواداری کی ایک قابل فخر یادگار ہے۔ اس معاہدے نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ عیسائیوں کی عبادت گاہوں کو منہدم کر کے وہاں مساجد تعمیر نہیں کرینگے۔ ایسی عیسائی عورتیں جو مسلمانوں کے عقد میں آئیں، وہ اس معاہدے کی رو سے اپنے مذہب پر قائم رہ سکتی تھیں۔ مسلمانوں پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی کہ وہ عیسائیوں کو اُنکے معابد کی مرمت میں مدد دے۔

☆☆☆

حاصل مطالعہ

حجاب (پردہ)

ایک تقابلی مطالعہ

جناب اے۔ایچ۔نعمانی

پانچ سال پہلے ٹورنٹو اسٹار کے ۳ جولائی ۱۹۹۰ء کے شمارے میں گوئن ڈائیر کا ایک مضمون پڑھا تھا، مردوں کی حاکمیت کے اصول کے نظام میں اسلام اکیلا نہیں ہے، اس مضمون سے متعلق مانٹریال میں منعقدہ "عورت اور طاقت" کے عنوان سے کانفرنس میں شرکاء کی طرف سے شدید ردعمل ہوا۔ ایک مصری مندوب کے بیان کے مطابق کہ عورت پر پابندی لگانے کا زیادہ تر عنصر یہودیوں کے عہدنامہ قدیم میں پایا جاتا ہے پھر عیسائیت اور قرآن سبھی مذاہب مردوں کی حاکمیت کے قائل ہیں اور عورتوں میں حجاب اسلامی محض روایت ہی نہیں بلکہ قدیم کلچر کی دین بھی ہے اور تمام آسمانی مذاہب میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ شرکاء کانفرنس کا یکجا ہضم ناد شوار ہو گیا کیونکہ ان کے مذہبی عقیدے کو اسلام کے مشابہ بتایا جا رہا تھا۔ اس کے لئے مصری مندوب پر سخت تنقید کی گئی، ان کی دلیل ناقابل قبول تھی، ان کا جواب دوسرے مذاہب سے لاعلمی کا مظہر ہے۔ ورلڈ موومنٹ آف مدرس کی برائن ڈوئیس نے مندرجہ بالا اعلان کیا۔ اسرائیل مومنس نیٹ ورکس کی ایلس شلوی نے کہا کہ میں احتجاج کرتی ہوں کہ یہودیت میں حجاب کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اس طرح کا شدید ردعمل مغرب کی اس ذہنیت کی غمازی کرتا ہے جس کے تحت وہ اسلام کو ہدف ملامت بنا رہا ہے۔ جو کہ مغربی کلچر کا ایک حصہ ہے۔ گویمنس ڈایر نے لکھا ہے کہ یہودی اور عیسائی ماہرین نسواں کے اس طرح کے اسلام کے بارے میں منفی تبصرے پر تعجب کی کوئی بات نہیں تھی، خصوصاً جب زیر بحث مضمون کا موضوع عورتوں سے متعلق ہو۔ مغرب میں عورتوں کی ماتحتی کو اسلام کا نشان تصور کیا جاتا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے فرانس جو دانشیر کا وطن ہے اس کے وزیر تعلیم نے پورے فرانس میں حجاب پہن کر اسکول آنے پر پابندی لگا دی اور اس جرم پر ان کو تعلیم حاصل کرنے کے بنیادی حق سے محروم کر دیا گیا جب کہ یہودی طالبہ کے ہیڈ اسکل اور عیسائی طالبہ کے کراس پہننے پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ وہ منظر بھلایا نہیں جا سکتا جب فرانسیسی پولس حجاب پہننے والی مسلم طالبات کو اسکول جاتے ہوئے روکتی نظر آتی ہے۔ اور ۱۹۶۲ میں الباما کے گورنر جارج ولیس اسکول کے گیٹ پر کھڑے ہو کر سیاہ فام طلبہ و طالبات کو روکتے نظر آتے ہیں، تاکہ الباما کے اسکول نسل نہ ہو جائیں دونوں مناظر میں فرق صرف اتنا ہے کہ کالے طلبہ کو امریکہ اور پوری دنیا کی حمایت حاصل تھی۔ اور امریکہ کے صدر نے داخلہ کو یقینی بنانے کے لئے الباما میں نیشنل گارڈ کو بھیجا برخلاف اس کے مسلم طالبات کو کہیں سے کوئی ہمدردی نہیں ملی فرانس اور دوسرے ممالک میں مسلمانوں کے مفاد کو بہت کم ہمدردیاں حاصل ہیں۔ اس کی وجہ اسلام کے بارے میں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی غلط فہمیاں ہیں۔

مونٹریال کی کانفرنس کے بارے میں میری شدید الجھن کا سبب یہ سوال تھا کہ مصری مندوب کے بیان اور ان کے تنقید نگاروں کے بیان میں حقیقت کیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں کیا عورت کے بارے میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام کا تصور یکساں ہے یا وہ اپنے تصورات میں مختلف ہیں کیا یہودیت اور عیسائیت میں عورت کے ساتھ اسلام سے زیادہ بہتر سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ سچائی کیا ہے اس کو دریافت کرنا اور ان مشکل سوالوں کا جواب تلاش کرنا آسان نہیں پہلی مشکل یہ ہے کہ جواب بامقصد اور انصاف پر مبنی ہونا چاہئے اور اس کے لئے پوری کوشش کرنی چاہئے۔ اسلام نے ہم کو یہی سکھایا ہے۔ "اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار کا ہی کیوں نہ ہو۔" (ق ۶۔۱۵۲)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری ذات پر یا تمہارے والدین یا رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔" (ق ۴۔۱۳۵) میں اس پر زور دینا چاہوں گا کہ میرا مقصد اس تقابلی جائزے میں یہودیت اور عیسائیت کی توہین کرنا نہیں ہے بلکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے میں دونوں کو الہامی مذاہب مانتا ہوں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ جیسے عظیم پیغمبروں پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ میرا مقصد صرف اور صرف مغرب میں اسلام پر لگائے جانے والے مسلسل غیر منصفانہ الزامات کا دفع کرنا ہے۔

اسلام جو خدا کی طرف سے سچا اور آخری پیغام ہے اور تمام انسانوں کی فلاح کے لئے ہے میں اس پر بھی زور دینا چاہوں گا کہ کسی مذہب کو سمجھنے کے لئے کیا اصول اپنائے جائیں۔ میرا مقصد صرف اپنے اصولوں کی وضاحت کرنا ہے۔ خاص طور سے ان تینوں مذاہب میں عورتوں کا مقام جیسے عورت کی میراث اور مالکانہ حقوق اقتصادی تحفظ، طلاق، کثرت ازدواج اور حجاب کے متعلق وہ اصول اور احکام جو ان مذاہب کی بنیادی کتابوں میں موجود ہیں لیکن دنیا میں ان کے لاکھوں ماننے والے اس پر عمل نہیں کرتے۔ اس تقابلی مطالعہ میں تینوں مذاہب میں عورتوں کے بارے میں دیئے گئے احکامات میں سے صرف حجاب کے متعلق احکامات پر زور دوں گا اس ضمن میں میرے دلائل کی بنیاد ان حقائق پر ہے جو قرآن کریم، احادیث نبوی، انجیل، توریت، زبور، تلمود اور مستند ربی، چرچ کے پادریوں کے اقوال پر مبنی ہوں گے جنہوں نے یہودیت

اور عیسائیت کے اصولوں کی وضاحت اور تشریح کرنے میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ میری دلچسپی اس حقیقت کے اظہار کے لئے ہے کہ جو کسی مذہب کے سمجھنے اور جاننے کے لئے اس کے ماننے والوں کے برتاؤ، رسم ورواج، قول وفعل اور طور طریقہ کو دیکھ کر سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے دراصل یہ ایک گمراہ کن اور خطرناک رجحان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ دوسروں کی تہذیب کلچر اور مذہب کے سلسلہ میں غلط فہمی میں مبتلا ہیں بہت سے لوگ ہیں جو جانتے ہی نہیں کہ ان کی کتب کیا کہتی ہیں اور بہت سے لوگ ہیں جو غور ہی نہیں کرتے۔

اسلام میانہ روی، نرم مزاجی، منصفانہ برتاؤ، صحت مند جسم اور اچھے افعال و بلند کردار، اور خیالات کی پاکیزگی پر یقین رکھتا ہے۔ اور اس کا اہتمام کرتا ہے کہ دونوں صنف مندرجہ بالا اصولوں کے پابند ہوں۔ شادی سے پہلے جنسی تعلق کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے۔ رقص تقریبات اور ڈیٹنگ اسلام میں سختی سے منع ہیں عورت کو مرد سے علیحدہ رہ کر حصول تعلیم کا حق دیا گیا ہے۔ لیکن پہلے عورت کو اس تعلیم کا انتخاب کرنا چاہئے جو کہ ماں کی حیثیت سے اسے اپنے فرائض کی انجام دہی میں مدد دے سکے ساتھ ہی ساتھ وہ کالج، یونیورسٹی کی بھی تعلیم حاصل کر سکتی ہے۔ انسانی زندگی میں اسلام عورت کو بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کو تحفظ فراہم کرنے اور نقصان سے بچانے کے لئے حجاب کو لازمی قرار دیتا ہے۔ حجاب کا اہتمام اس کو گھر سے باہر نکلتے وقت کرنا ہے۔ وہ ایک ساتر لباس پہنتی ہے۔ عورت کی ظاہری اور جسمانی کشش سے زیادہ اسلام اس کی حیا و پاکدامنی اور عزت و وقار کو اہمیت دیتا ہے۔ جب وہ حجاب میں مستور ہوگی تو اپنی نسوانی خوبیوں کے تحت وہ بے پردہ عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ محفوظ و مامون ہوگی اس کے برخلاف مغرب حجاب یا پردہ کو عورت کے استحصال کی علامت تصور کرتا ہے۔ کیا یہ خیال کرنا درست ہے کہ یہودی اور عیسائی تہذیبوں میں حجاب کا کوئی تصور نہیں دیکھیں کہ ان مذاہب کی تعلیمات کیا کہتی ہیں۔ ڈاکٹر منیشم ایم۔ بایر ربی (پروفیسر آف ہبلکل لٹریچر یا شیوا یونیورسٹی) اپنی کتاب "دی ڈومن ان ربینک لٹریچر" میں راقم طراز ہے کہ یہودی عورتوں میں یہ رواج تھا کہ وہ گھر سے باہر سر ڈھک کر نکلتی تھیں اور بعض اوقات آنکھوں کو چھوڑ کر پورا چہرہ ڈھکتی تھیں۔ وہ ایک قدیم مشہور ربی کے اقوال کے حوالے سے کہتا ہے کہ اسرائیل کی لڑکیوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ سر کھول کر باہر گھومیں اور جو یہودی اپنی بیوی کو سر کھلا رکھنے کی اجازت دیتا ہے وہ خدا کے قہر کو دعوت دیتا ہے۔ جو عورت زیبائش کے لئے اپنا سر کھول کر رکھتی ہے وہ غربت کو دعوت دیتی ہے۔ ربینگ قانون میں ایک شادی شدہ عورت کے لئے کھلے سر کی حالت میں عبادت کرنے یا دعا کرنے پر پابندی ہے، کیونکہ عورت کا کھلا سر اس کی برہنگی میں شمار ہوتا ہے۔ ڈاکٹر بایر نے اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ ٹیننگ دور میں یہودی عورت کا سر کھلا رکھنا بے شرم بننے کی کوشش کے مترادف تھا۔ اپنا سر کھلا رکھنے کے جرم میں عورت کو چار سو زیوم جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ ڈاکٹر بایر وضاحت کرتے ہیں کہ حجاب یہودی عورتوں کے لئے محض پاکیزگی کی علامت نہیں سمجھا گیا۔ کبھی کبھی وہ پاکیزگی کے بجائے فوقیت اور آسائش کی علامت بھی سمجھا جاتا تھا۔ حجاب مہذب اور باوقار عورت کی برتری کا مظہر بھی تھا۔ ایسی عورتیں اپنے شوہروں کی پر وقار امانت تصور کی جاتی تھیں۔ پردہ عورت کی عزت نفس کا محافظ تھا۔ نچلے طبقے کی عورتیں حجاب استعمال کر کے بعض اوقات اونچے طبقے میں شامل ہونے کا تاثر دیتی تھیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ حجاب وقار کی علامت سمجھا جاتا تھا یہی وجہ تھی کہ قدیم یہودی معاشرے میں طوائفوں کو سر ڈھکنے کی اجازت نہیں تھی۔ اسی لئے طوائفیں ایک خاص طرح کا ہیڈ اسکارف شریف سمجھی جانے کے لئے پہنتی تھیں۔ یورپ میں یہودی عورتیں ۱۹ ویں صدی تک حجاب کا استعمال کرتی تھیں یہاں تک کہ ان کے چاروں طرف کے سیکولر ماحول کے اثرات نے ان کے رہن سہن میں تبدیلی پیدا کر دی۔ انیسویں صدی میں یورپین کی طرز زندگی نے باہر کے دباؤ میں بہتوں کو سر کھلا رکھنے پر مجبور کر دیا کچھ یہودی عورتوں نے حجاب کی جگہ وگ پہننی شروع کر دی جو ایک طرح کا حجاب ہے۔ آج کل زیادہ تر یہودی عورتیں بالوں کو نہیں ڈھکتی ہیں۔ سوائے عبادت کرتے وقت ان میں سے کچھ جیسے ہیسڈک طبقے کی عورتیں اب بھی وگ کا استعمال کرتی ہیں۔

عیسائی روایتیں کیا ہیں یہ بھی جانتے ہیں کہ کیتھولک نن سیکڑوں سالوں سے اپنے سروں کو ڈھکتی ہیں صرف یہی نہیں بلکہ سینٹ پال نے تو اپنے عہدنامہ جدید میں حجاب کے متعلق کچھ دلچسپ انکشافات کئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہر وہ عورت جو سر کھول کر عبادت کرتی ہے اپنے آپ کی توہین کرتی ہے یہ تو ایسا ہے جیسے اس کے بال مونڈ دئے گئے ہوں اگر کوئی عورت اپنے سر کو نہیں ڈھکتی ہے تو اس کو اپنے سر کے بال کٹوا دینا چاہئے۔ اور یہ عورت کی بے عزتی ہے کہ وہ بال کٹوائے یا سر منڈوائے اس لئے اسے اپنا سر ڈھکنا چاہئے۔ عورت مرد کی شان ہے۔ اس لئے کہ مرد عورت سے نہیں بلکہ عورت مرد سے ہے۔ مرد کو عورت کے لئے پیدا نہیں کیا گیا جبکہ عورت مرد کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اور عورت کو مرد کی حاکمیت کی نشانی اپنے سر پر رکھنی چاہئے۔ (۱۰۔۳۔۱۱ کورنتھیانس۔۱)

پردہ نشین عورت کے لئے سینٹ پال کی یہ سوچ ہے کہ پردہ مرد کے نشان کی نمائندگی کرتا ہے جو خدا کا عکس اور اس کی شان ہے۔ جس کی تخلیق مرد کے لئے کی گئی ہے۔ سینٹ میرا اپنے مشہور مضمون آن ویلنگ آف ورجن میں لکھتے ہیں۔ کہ اے نوجوان عورتو! جب تم سڑکوں پر باہر نکلو تو حجاب استعمال کرو۔ اسی طرح تمہیں چرچ میں بھی حجاب پہننا چاہئے۔ اجنبیوں کے بیچ میں بھی تمہیں پردہ کا استعمال کرنا ہے۔ اور اپنے بھائیوں کے بیچ بھی۔ آج بھی کیتھولک چرچ کے کینن لا میں ایسا قانون موجود ہے جو عورتوں کو چرچ میں اپنا سر ڈھانکنے کے پابند کرتا ہے۔ عیسائیوں کے کچھ طبقے جیسے

امش، منٹو، نائنس آج بھی اپنی عورتوں کو پردہ کراتے ہیں۔ چرچ کے لیڈروں کے مطابق پردہ کرانے کی وجہ یہ ہے کہ عورت کا سر ڈھکنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ خدا اور مرد کے ماتحت ہے۔ پہلی ویلیل سینٹ پال کیلئے عہد نامہ کے مطابق ہے۔ مندرجہ بالا شواہد سے ظاہر ہے کہ سر ڈھکنے کی روایت اسلام سے قبل بھی رائج رہی البتہ اسلام نے اس کی پرزور تائید وہ کالت ضروری کی ہے۔ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو قرآن کے مطابق اپنی نگاہیں نیچی رکھنا اور عصمت کی حفاظت لازم ہے۔ ''اے نبی! مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور بناؤ سنگار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالیں رہیں۔'' (ق ۲۴ ر ۳۰ ۔۳۱)

کردار کی پاکیزگی کیوں ضروری ہے قرآن اس کی وضاحت کرتا ہے۔ ''اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔'' (ق ۳۳ ۔۵۹)

اس لحاظ سے عصمت اور پاکیزگی لازم ہے یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ عورت کے کردار کی پاکیزگی کو مجروح ہونے سے محفوظ رکھنے کے لئے حجاب ضروری ہے۔ اسلام میں حجاب کا مقصد ہے کہ کردار کی پاکیزگی اور عصمت کی حفاظت کی جائے۔ البتہ اس فرق کو بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ اسلام میں حجاب عبدیت کے پردہ کی طرح مرد کی حاکمیت کا نشان نہیں ہے۔ اور نہ عورت مرد کی غلام ہے۔ اور نہ ہی اسلامی حجاب یہودیت کے رائج اصولوں کی طرح ہے اسلامی حجاب کا مقصد عصمت اور پاکیزگی کی حفاظت ہے حقیقت میں قرآن عورت کی حرمت کے سلسلے میں اس قدر حساس ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پاک دامن عورت پر بدکاری کا غلط الزام لگانے کی جرأت کرتا ہے تو اس کی سخت وعید آئی ہے۔

''اور جو لوگ پاک دامن عورت پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو'' (ق ۲۴ ۔۴)

زنا کی سزا کے سلسلے میں قرآن کے مطابق زنا کرنے والے اگر کنوارے ہوں تو ان کی سزا سو کوڑے مارنا ہے اور سزا دیتے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ وہاں موجود رہے جیسا کہ سورہ نور کی آیت ۲ سے ظاہر ہے۔ اور شادی شدہ کی سزا حدیث نبوی صحیح بخاری کے مطابق سنگسار کرنا ہے۔ یہ فرق اس لئے ہے کہ انہیں اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے جائز ذرائع موجود تھے پھر بھی انہوں نے معاشرے میں برائیوں کو پھیلانے اور مختلف فتنوں کو جنم دینے کے لئے اس جرم کا ارتکاب کیا۔ اسلام کے اس سخت رویئے کے مقابلے میں عیسائیت میں انجیل کی ہلکی سزا کا موازنہ کیجئے۔ ''اگر کوئی شخص کسی کنواری لڑکی سے ملتا ہے پھر اس سے شادی کا وعدہ کر کے اس کے ساتھ زنا بالجبر کرتا ہے اور یہ بات معلوم ہو جائے تو اس کو اس لڑکی کے والد کو چاندی کے پچاس شیکل ادا کرنے ہوں گے اور اس لڑکی سے شادی کرنی پڑے گی کہ اس نے اس کو خراب کیا ہے اور اس کو وہ اپنی زندگی میں طلاق نہیں دے سکے گا''۔ (۲۸۳۰ ۔۲۲ ڈی۔ یوٹ)۔

یہاں ایک شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ کس کو حقیقت میں سزا ملی اس شخص کو جس نے زنا بالجبر کیا اور صرف جرمانہ ادا کیا یا اس لڑکی کو جس کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا اور زبردستی اس کی شادی اس آدمی کے ساتھ کر دی گئی۔ جب تک وہ شخص مر نہ جائے اسے بیوی رہنے پر مجبور کر دیا گیا۔ پھر ایک دوسرا سوال بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ عورت کی عصمت کی حفاظت کرنے والے مذہب کا رویہ سخت ہے۔ یا انجیل کا ڈھیلا ڈھالا رویہ۔ کچھ لوگ کردار کی پاکیزگی کے اصول کو مضحکہ خیز سمجھ کر اس کا مذاق اڑائیں گے ان کی دلیل یہ ہے کہ اصل **خامت** تعلیم کے فروغ، مہذب برتاؤ اور ضبط نفس میں ہے جبکہ ہمارا کہنا ہے کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ معاشرہ کی پاکیزگی کے لئے مندرجہ بالا اصول مہذب برتاؤ کے ضامن ہیں تو ایسا پھر کیوں ہے کہ شمالی امریکہ کی اکیلی عورت اندھیری گلیوں میں گھومنے کی ہمت نہیں کر پاتی اگر تعلیم اس کا حل ہے تو پھر کوئنس جیسی یونیورسٹی کے کیمپس میں خاص طور سے طالبات کے لئے واک ہوم سروس کیوں چلائی جاتی ہے۔ اگر ضبط نفس اس کا حل ہے تو دنیا میں عورتوں پر جنسی دست درازی کے واقعات کیوں پیش آتے ہیں۔ پچھلے کچھ سالوں میں ایسی مثالیں سامنے آئی ہیں کہ بحریہ کے افسر مینجر، یونیورسٹی کے پروفیسر، سپریم کورٹ کے جسٹس عورتوں کے ساتھ جنسی دست درازی میں ملوث پائے گئے ہیں۔ ''ڈین آف وومنس افیرس آف کوئنس یونیورسٹی'' کے ذریعہ جاری کئے گئے پمفلٹ میں درج مندرجہ ذیل اعداد و شمار کو پڑھ کر مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ ذرا آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ کنیڈا میں ہر چھ منٹ پر ایک عورت پر جنسی دست درازی کی جاتی ہے۔

۲۔ اپنی زندگی میں تین میں سے ایک عورت کنیڈا میں دست درازی کا شکار ہوتی ہے۔

۳۔ اپنی پوری زندگی میں چار میں سے ایک عورت پر دست درازی کے لئے یا تو حملہ کیا گیا یا وہ حملے کے خطرے سے دوچار ہوئی۔

۴۔ یونیورسٹی اور کالجوں میں تعلیم کے اوقات میں آٹھ میں سے ایک عورت پر دست درازی کی گئی۔

۵۔ ایک اسٹڈی میں کنیڈین یونیورسٹی میں ۶۰ فی صد مرد پروفیسروں نے کہا کہ اگر انہیں یقین ہو جائے کہ وہ پکڑے نہیں جائینگے تو وہ دست درازی کی اپنی خواہش پوری کریں۔

ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں اس میں کچھ بنیادی غلطیاں ہیں۔ معاشرے کی طرز زندگی اور کلچر میں وسیع تبدیلی کی اشد ضرورت ہے۔ کردار کی پاکیزگی کی بھی شدید ضرورت ہے۔ ایک صالح معاشرہ

کیلئے کردار کی پاکیزگی، ضبط نفس، متوازن سوچ، صاف شفاف طرز زندگی، وسیع النظری اور مقصدیت مرد اور عورت دونوں کے لئے ضروری ہے۔ ورنہ مندرجہ بالا اعداد و شمار جو حقائق پر مبنی ہیں کے مطابق معاشرے کی شکل بھیانک اور دن بدن خطرناک صورت اختیار کرتی جائے گی اور بدقسمتی سے اس کی بڑی قیمت عورت ہی کو چکانی پڑیگی۔ متاثر تو ہم بھی ہوں گے فرانس جیسے ملک میں جہاں طالبات کو اس لئے اسکول سے نکال دیا گیا کہ وہ ساتر لباس پہن کر آتی تھیں۔ یہ عمل آخر معاشرے کو نقصان پہنچانے کا سبب بنے گا آج یہ ساری دنیا کا المیہ ہے کہ جب ایک کیتھولک نن ہیڈ اسکارف جو مرد کی حاکمیت کی نشانی ہے پہنتی ہے تو اسے پاکیزگی اور وقار کی علامت قرار دیا جاتا ہے اور ایک مسلم طالبہ کردار کی پاکیزگی کی علامت کے طور پر حجاب پہنتی ہے تو اسے دقیانوسیت اور بنیاد پرستی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی
ایک اور فخریہ پیش کش
حالات حاضرہ اور مسلمان
از
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)
جس میں
ملت اسلامیہ کے مسائل کا بصیرت افروز تجزیہ
اور ان کا فراست مندانہ حل پیش کیا گیا ہے
● ایک رہنما کتاب
جس کا مطالعہ ملت کے ہر دردمند و فکر مند قاری
کے لئے ضروری ہے
آج ہی طلب فرمائیں:
مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام، پوسٹ بکس ۱۱۹
لکھنؤ۔ 226007

مولانا برکت اللہ بھوپالی ایجوکیشنل اینڈ سوشل سروس سوسائٹی (رجسٹرڈ-17236/86)
کے زیر اہتمام
جنگ آزادی کے عظیم مجاہد، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد
اور پہلی جلاوطن حکومت کے وزیر اعظم
پروفیسر مولانا برکت اللہ بھوپالی
کی یاد میں قائم دینی وعصری تعلیم کے اہم مراکز
☐ **برکت اللہ پبلک ہائر سیکنڈری اسکول**
گاندھی نگر، بھوپال، مدھیہ پردیش، انڈیا
☐ **برکت اللہ گرلس ہائر سیکنڈری اسکول**
سلطانیہ روڈ، سٹی ٹیلی فون ایکسچینج کے سامنے، بھوپال، ایم پی، (انڈیا)
☐ اس ادارہ میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے۔
☐ غریب اور نادار و مفلس طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔
منجانب:- حاجی محمد مارون ایڈوکیٹ۔ (بانی و ناظم اعلیٰ)
فون: 0091-755-2543466, 2642715

قنوج کے قدیم مشہور و معروف کارخانہ سے تیار کردہ خوشبودار عمدہ و اعلیٰ
☆ شمامۃ العنبر ☆ عطر گلاب ☆ روح خس ☆ عطر موتیا ☆ عطر حنا ☆ عطر گل ☆ عطر کیوڑہ،
☆ اس کے علاوہ فرحت بخش، دیرپا خوشبو ہول سیل ریٹ پر ملتے ہیں۔
ایک بار آزما کر خدمت کا موقع دیں
محمد یٰسین محمد یامین تاجران عطر
آئیڈیل پرفیوم سنٹر (پرائیویٹ لمیٹڈ) قنوج فون: 234445

محاسن اسلام

اسلام اور پیام امن

ڈاکٹر محمد اجتباء ندوی

اسلام دنیا کے لئے پیام امن ہے، اس کی تمام تر دعوت انسانی دنیا کو ہر حیثیت سے اور ہر جہت سے سلامتی، سکون، طمانیت وقرار وچین عطا کرنے پر زور دیتی ہے، اور اس نے ہر بد نظمی، انتشار، بے چینی، غارت گری، حق تلفی، ناانصافی، انفرادی وسماجی نابرابری سے بچانے اور متعدد چوکھٹوں پر پیشانی رگڑنے اور مختلف دروازوں پر دستک دینے کے بجائے ایک چوکھٹ پر ماتھا ٹیکنے اور وحدہ لاشریک کے حضور میں ہاتھ پھیلانے کی جانب رہنمائی کی ہے اسی طور سے اس کی زندگی امن وسکون کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

اسلام سے قبل انسانی معاشرہ خوف ودہشت، انتشار وبد نظمی، اضطراب وبے چینی، حق تلفی ومحرومیوں کا شکار تھا، اسے امن کی راہ اور سلامتی کا نور چاہئے تھا، یہ اس کی فطری ضرورت اور دیرینہ تمنا بھی تھی انسانی معاشرے کے ساتھ اس طرح کے ظالمانہ سلوک کو چشم تاریخ نے بارہا دیکھا ہے، اور اس کے خلاف منہ کھولنے اور دکھ سے بلبلا اٹھنے پر اس کو اسی الزام اور انہی خطابات سے نوازا گیا، جو آج ہمارے کانوں میں تعصب ونفرت، انتہا پسندی، دہشت گردی، جنگجوئی اور جرأت بے جا جیسے الفاظ کی گونج سنائی دیتی ہے، عصر جاہلی میں معلوم دنیا کے گلیاروں میں طنز وتعریض، سزا وعتاب، اور ظلم وتشدد کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، جہاں طاقتور کمزور کو، دولتمند غریب ولاچار کو، حکمراں محکوم کو محرومیوں کا شکار بنا کر اسی کو تہمت والزام کے کٹہرے میں لا کھڑا کرتا تھا اس انفرادی وسماجی نابرابری اور ناانصافی وظلم کے خلاف آواز بھی بلند کی گئی اور رحمت حق نے ان کی آواز بھی سنی اور حقدار کو حق بھی ملا، دنیا کے دو اہم خطوں کی ایک ایک مثال ملاحظہ ہو:۔

(۱) جزیرہ نما عرب اسلام سے قبل تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا اس کے کچھ خوشحال سرکردہ لوگوں نے ظلم وجور، سماجی نابرابری اور امتیازی سلوک اپنا کر ایک طبقہ کو انتقام، بے نظمی، انارکی، عداوت ونفرت پر مجبور کر دیا، جس نے لوٹ مار، خوف ودہشت پھیلا کر زندگی کا چین چھین لیا، ان لوگوں کو عربی تاریخ نے (صعالیک) کے لفظ سے یاد کیا، عربی لغات ومعاجم نے انہیں فقیر ڈاکو، چور، خونخوار، سرکش نیز غریب نادار، عرب کے خونریز غریب لوگ خانماں برباد، عرب کے مشہور ڈاکو اور لٹیرے کے خطاب عطا کئے، لیکن وہ خود اپنے لئے (فتیان) کا لفظ پسند کرتے تھے "فتی" عربی زبان میں بہت وسیع، ہمہ گیر اور ہمہ جہت معانی کا حامل ہے جس میں شجاعت بہادری، مہم جوئی، اولوالعزمی، سخاوت، مہمان نوازی، غریب پروری، پڑوسی کی خبر گیری، لاچار، مسکین، کمزور، عاجز، یا بوڑھے مرد عورت بچہ کی مدد وتحفظ، فریادرسی، مساوات، غم خواری، دادرسی، عدل وانصاف اخلاص ووفا، شرافت واخلاق، انسانیت واعلیٰ کردار اور عزم وحوصلہ جیسے تمام قابل تعریف اوصاف ہیں جو ایک مثالی انسان میں پائے جاسکتے ہیں جو کسی حد تک انگریزی لفظ واصطلاح (Chivolary) "شیولری" کے ہم معنی ہو سکتے ہیں۔

لیکن جاہلی دور اور عربی لغات نے ناپسندیدہ اور حقارت آمیز الفاظ سے ان کا ذکر کیا اس لئے کہ انہوں نے احتجاج کی راہ اختیار کی اور اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے حالات کی تبدیلی اور انقلاب کا طریقہ اپنایا، اس انفرادی وسماجی ناانصافی کو یکسر مسترد کر دیا، اس رسوا کن، خوار اور اچھوتوں جیسی وپسماندہ زندگی بسر کرنے کے لئے مطلق آمادہ نہیں ہوئے، انہیں جسم و جان کی طاقت وتوانائی میں زندگی دوڑتی ورواں دواں نظر آئی، وہ زندگی کی اسی راہ پر چل پڑے، صعالیک کے سربراہ (جسے ابوصعالیک کا لقب دیا گیا) عروہ بن ورد نے اپنے ایک قصیدہ میں اس کی بہت اچھی تصویر کشی کی ہے، محققین نے عرب سماج میں صعالیک کے وجود کے تین اسباب بیان کئے ہیں:۔ جغرافیائی، سماجی اور معاشی، تفصیلی گفتگو کے بجائے ایک مصری ادیب ڈاکٹر یوسف خلیف کے یہ الفاظ "صعلوک" کے تعارف میں نقل کرنے مناسب ہوں گے وہ لکھتے ہیں:۔

"وہ غریب جو زندگی کی ناہمواریوں ودشواریوں کا تنہا مقابلہ کرتا ہے" جسے زندگی گذارنے کے تمام وسائل سے محروم کر دیا گیا، اور وہ سب ذرائع جن کے سہارے وہ زندگی بسر کر سکتا تھا انہیں ختم کر دیا گیا، اور وہ سارے اسباب جن کے ذریعہ وہ زندگی کی مشکلات کو دور کر سکتا تھا چھین لئے گئے، زندگی صرف غربت وناداری ہی نہیں تھی بلکہ ایسی ناداری تھی جس کے سامنے زندگی بسر کرنے کے سارے دروازے، راستے، گذرگاہیں بند ومسدود کر دی گئی تھیں"

ان صعالیک کی آزادروی، سرکشی، حملہ ویورش اور صحرانوردی کا سبب صرف بھوک ہی نہیں تھی بلکہ سماج کی ناانصافی، اہل قبیلہ، گھرانہ، خاندان، دوست واحباب کی جانب سے جفا، اہانت، رسوا کن برتاؤ وحق تلفی اور حقوق میں نابرابری، امتیازی سلوک جیسے اسباب بھی تھے، ایسا نہیں تھا کہ ان کا خاندان وقبیلہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ خانماں برباد ہو کر در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوئے، مشہور صعلوک شاعر شنفری کی جانب منسوب (لامیۃ العرب) میں خود اس کا اپنا واقعہ اس کی مزید وضاحت کرتا ہے:۔ وہ اور اس کا گھرانہ، بنو سلامان کے یہاں دیت کے بدلہ رہن رکھ دیا گیا، اور چھڑایا نہیں

گیا، ایک دن بنو سلامان کی ایک بیٹی کے ساتھ کسی کام سے نکلا، کام کے دوران اسے اے بہن (یا اختی) کہہ کر آواز دی، یہ لفظ سن کر وہ لڑکی آگ بگولہ ہوگئی اور کہا کہ تم سیاہ فام غلام ہو کر مجھے بہن کہتے ہو، تمہیں اس کی جرأت کیسے ہوئی، اور اس کے گال پر زوردار طمانچہ مارا، شنفری اس بے عزتی کو برداشت نہ کر سکا اور اپنے پھوپھی زاد بھائی تابط شرا (ثابت بن جابر) کے پاس آگیا اور قسم کھائی کہ اس قبیلہ (بنو سلامان) کے سو آدمیوں کو قتل کر کے اس کا بدلہ لے لیگا اور تابط شرا کے ساتھ اس قسم کو پوری کرنے میں منہمک ہو گیا، ایک حملہ میں پکڑا گیا اور قتل کر دیا گیا، قتل ہونے سے پہلے اس قبیلہ کے ننانوے آدمی قتل کر چکا تھا، اور سواں (۱۰۰) شخص رات کی تاریکی میں اس کی کھوپڑی سے ٹکرا کر گرا اور مر گیا۔

جزیرہ عرب اس دور میں سخت خوف ودہشت، تشدد وانتہا پسندی کا شکار تھا، ظہور اسلام کے بعد اس کے نظام عدل، مساوات، اخوت ومؤدت، انسانوں کے ساتھ انسانیت وآدمیت کا سلوک، عام انسانوں خصوصا عورتوں کو ان کا صحیح مقام عطا کرنے، امن وسلامتی، بے خوفی کے پیغام ونظام کو عملی طور سے نافذ کرنے کی وجہ سے پورا جزیرہ عرب صلاح وفلاح کا گہوارہ بن گیا، صعالیک اور ان جیسے لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہو کر ایمان وامن اور عافیت وسلامتی کے پیامبر بن گئے۔

(۲) نویں دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی خاص طور سے براعظم یورپ کے لئے بڑی تاریکی، تشدد، دہشت گردی اور انتہا پسندی کا دور تھا، وہاں ایک سرکش، باغی اور فتنہ پرواز ٹولہ (مہم جو گھوڑ سوار) رونما ہو گیا تھا جنہیں نائٹس کے نام سے یاد کیا گیا اس نے پورے یورپ کی زندگی جہنم زار بنا دی تھی، لوٹ مار، ظلم وناانصافی، قتل وخونریزی ان کا روزمرہ کا معمول بن گیا تھا، عیسائی پادریوں کی ہر کوشش ناکام ہوگئی تو انہوں نے پاپائے روم سے مداخلت کیلئے درخواست کی، پاپائے روم نے ان کے ایک اجتماعی مجمع کو خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

"تم لوگ اب اپنی زندگی کے اطوار بدل ڈالو، ذی ہوش، اعتدال پسند، امن پسند، پرہیزگار اور سچائی کے طلب گار بن جاؤ، تم کو لازم ہے کہ اب تم منصف مزاج، پاک طینت اور خدا سے ڈرنے والے بن جاؤ، تاکہ" (حضرت) عیسیٰ کے سپاہی کہلانے کے مستحق بنو، اور بے دینوں کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کے بعد سفاکی اور ظلم کا راستہ ترک کر دو"

معروف انگریزی تنقید نگار میرل بوڈن لکھتی ہیں کہ پاپائے روم کی اس تلقین نے مہم جوئیوں کی زندگی کی اپنی اس روش کو یکسر بدل ڈالنے پر مجبور کیا اس کا صاف مطلب ہے کہ اس زمانہ میں یہ مہم جو اخلاقی ضابطوں سے کلیۃ بے نیاز تھے اور ان کی حیثیت گروہ بند مسلح ٹولوں سے مختلف نہ تھی جو اوباش طبع اور بدقماش تھے لیکن انہیں قانون کا تحفظ بھی حاصل تھا اس لئے وہ اکثر بادشاہ کے محافظ دستوں کا کام بھی کرتے تھے (بحوالہ کچھ مغرب سے کچھ مشرق سے ص ۱۱ پروفیسر جعفری)

صعالیک عرب اور مہم جویان مغرب میں مزاج واقدار کا فرق تھا جو دونوں مثالوں سے محسوس کیا جاسکتا ہے، دونوں ہی کی تبدیلی میں اسلام کے نظام عدل، اخوت ومساوات نے اہم کردار ادا کیا، یورپ کے ہی ایک چھوٹے علاقہ میں مسلم سلطنت (اندلس) قائم تھی جو علم وفن، مردم گری وانسان سازی میں اعلیٰ کردار ادا کر رہی تھی، وہاں کی یونیورسٹیوں اور دانشگاہوں سے یورپ کے نوجوان فیض حاصل کر رہے تھے، اسی دوران صلیبی جنگوں کے لئے پوری فوجوں نے عرب مسلم ملکوں کا رخ کیا، یہاں کی تہذیب، ترقی، حسن سلوک اور اعلیٰ اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، یہیں ہی سے ان میں تبدیلی رونما ہونا شروع ہوئی لیکن ان کی شیبہ باقی رکھنی ضروری تھی، ان کے پیش نظر اسلامی دنیا تھی جسے وہ اپنا پرانا حریف سمجھتے تھے اور ان کے سینوں میں قدیم تعصب، حسد وحقد وکینہ باقی تھا، ان حالات میں اس کی سوزش تیز محسوس ہونے لگی انیسویں صدی عیسوی ہی میں مسلم بیداری (صحوۃ الاسلامیہ) تمام مسلم ممالک میں (طنجہ سے جاکرتا تک) اسلامی تحریکوں، مسلم دانشگاہوں، علماء وصلحا کی کوششوں سے پوری قوت کے ساتھ رونما ہوئی، جسے صیہونی امریکی محاذ نے اپنے لئے بڑا خطرہ قرار دیا اور پوری طاقت سے اسے کمزور کرنے اور کچلنے کے لئے متحدہ توانائی صرف کرنی شروع کر دی، نہ صرف مسلمانوں پر انتہا پسندی اور دہشت گردی کا الزام عائد کیا بلکہ دین اسلام کو امن دشمن، ظلم پرور اور انصاف سوز کے خطاب سے نوازا، اس کے خلاف محاذ قائم کر دیا اور اتنا ہی سوچنا گوارا نہ کیا کہ "اسلام" کا لفظ سلامتی، آشتی، اور امن وعافیت کے صاف شفاف اور شیریں معانی پر مشتمل ہے، بدامنی، اٹھایا، اپنی اور عالم اسلام کی کمزوری کا مطالعہ اور تجزیہ کرنے کے بعد وہ نئے صلیبی حملہ کی (جس کی نوبت انیسویں صدی میں آئی) تیاری میں مصروف ہو گئے"

(عروج وزوال ص ۱۷۴)

دونوں عالمگیر جنگوں کے بعد دنیا میں دو بڑی طاقتیں رونما ہوئیں، پہلی جنگ عظیم کے بعد ہی مسلم سلطنت (خلافت عثمانیہ) کو ختم کر کے اس کے حصے کر کے باہم تقسیم کر لیا گیا، دونوں بڑی طاقتوں کی کشمکش نے اسلحہ اور تباہ کن آلات جنگ نے یلغار وجنگ و پیکار کا ایک وسیع میدان فراہم کر دیا اگرچہ ان دونوں کے مابین "سرد جنگ" کی شکل ہی رہی، لیکن اس سے پوری دنیا متاثر ہوگئی آخر میں صیہونی امریکی سازش کامیاب ہوئی اور صرف ایک ہی عنصر پولس مین کی صورت میں باقی رہا جس کی ہمنوائی بلکہ سرپرستی عالمی صیہونیت نے سنبھالی، مسلم خلافت تو صلیبی سازش اور صیہونی ریشہ دوانی سے ختم ہو ہی چکی تھی لیکن سوویت یونین کے خاتمہ کے بعد ان دونوں کو ایک مشترک دشمن کی شیبہ باقی رکھنی ضروری تھی، ان کے پیش نظر اسلامی دنیا تھی جسے وہ اپنا پرانا حریف سمجھتے تھے اور ان کے سینوں

خون آشامی، خوف ودہشت گردی، اور تشدد وانتہاپسندی اسلام کے مزاج وروح کے خلاف ہے، وہ فساد فی الارض، قتل وخونریزی اور ایذارسانی کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اس کے یہاں ایک انسان کا قتل تمام انسانوں کے قتل کے برابر ہے، اسلام دنیا میں آیا ہی ہے پوری انسانیت کو امن وسلامتی اور سکون وعافیت عطا کرنے کے لئے تاکہ لوگ اطمینان کے ساتھ اللہ وحدہ لاشریک کی اطاعت وفرمانبرداری پرسکون ماحول میں ادا کرسکیں، اس راہ میں اگر کوئی روڑا اٹکاتا ہے۔ تو صرف اس روڑہ کے ہٹانے کا حکم ہے اس سے زیادہ نہیں "فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم" (ج۲، ۱۹۴) پھر اگر تم پر کوئی زیادتی کرے، تو تم اس پر اسی کے بقدر زیادتی کرو، جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

قرآن وحدیث اور فقہ کی کتابوں میں اس کی تفصیل اور درجے ومرتبے مقرر ہیں سب کا مقصد امن وامان، عدل وانصاف قائم کرنا ہے اس میں تشدد، زیادتی اور ناانصافی کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس وجہ سے بھی کہ امن وسلامتی انسان کی فطری ضرورت ہے، اور اس کے زندگی کے تمام ارتقائی مراحل، نشوونما، ایجاد واختراع، ذہانت وذکاوت اور جملہ کارگزاریوں کے لیے ناگزیر ہے، اس کی اساس وبنیاد کائنات ہے جو حددرجہ منظم ومربوط شمس وقمر، ارض وسماء، نجوم وکواکب، ابر وباد، بحر وبر، ٹیلے اور پہاڑ سب کے سب باہم ایک منظم اور متوازن دھاگے میں پروئے ہوئے ہیں، نامعلوم زمانہ سے انتہائی سکون ونظم کے ساتھ اپنے فرائض ادا کررہے ہیں جس سے کائنات کا ہر ذرہ اس کی تکوینی عمل کے ذریعہ انسانیت کی بقاء وتحفظ، فلاح وترقی میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے، کائنات کے اسی توازن وتوافق نے اس کا مزاج، قانون اور اصل وبنیاد بنادیا ہے۔

اسلام کا مزاج اسی نظم وتناسق سے بنا ہے جس کی اصل امن وآشتی ہے، یہی دائمی قاعدہ اور ابدی مزاج ہے، اسلام نے اسی قاعدہ اور مزاج کے مطابق اپنی دعوت کا آغاز کیا، عقیدہ توحید سے لے کر اس کی تمام تعلیمات، جس کا تعلق انفرادی، اجتماعی، معاشی، سیاسی، تہذیبی وتمدنی زندگی سے ہے حددرجہ متوازن ومنظم ہے، اس نے ان سارے اسباب کی نفی کردی جو خلل واضطراب پیدا کرسکتے تھے اور ان تمام ذرائع کو مسدود کردیا جن سے بدنظمی، مخالفت، مخاصمت اور جنگ وجدال برپا ہوسکتا تھا کیونکہ جنگ ایک استثنائی اور عارضی امر ہے، اس کی ضرورت اسی وقت پیش آسکتی ہے جب اس قانون فطرت اور امن وسلامتی کے مزاج سے بغاوت وسرکشی اور ظلم وجبر رونما ہو، اور امن وامان کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کردی جائے، اور قانون اور نظام کو درہم برہم کرنے کے لئے راہ حق وسلامتی کے اختیار کرنے میں رکاوٹیں کھڑی کردی جائیں، جنگ وجدل پر پابندی لگانے اور اس کے اسباب کو ختم کرنے کے لئے اسلام نے نسلی، قبائلی، اور قومی تعصب کو مٹایا اور اعلان کیا کہ تمام انسان ایک مرد وعورت سے پیدا کئے گئے ہیں، نسلیں وقبیلے تو محض تعارف کے لئے ہیں:۔

"یاایھاالناس انا خلقناکم من ذکر وانثی، وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا، ان أکرمکم عنداللہ أتقاکم، ان اللہ علیم خبیر" (الحجرات:۱۳)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے"

ایک دوسری آیت میں فرمایا:۔

"یاایھاالناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء، واتقوا اللہ الذی تسائلون به والأرحام، ان اللہ کان علیکم رقیبا" (النساء:۱)

ترجمہ:۔ لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد وعورت دنیا میں پھیلا دیئے، اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ وقرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو، یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کررہا ہے۔

سماجی نابرابری، نسلی امتیاز، عربی عجمی، کالے گورے اور اپنے پرائے کے فرق کو مٹا کر سب کو حضرت آدم کی اولاد ہونے کو یاد دلا کر یکساں قرار دیا اور پوری انسانیت کو ایک نسب اور ایک معبود سے جوڑا گیا تاکہ مخالفت وتنازع ختم ہوکر اس رشتہ کا اثر اور ہمہ گیر بن جائے علامہ محمد اقبال نے اس شعر میں اسی کی جانب دعوت دی ہے:۔

بتان رنگ وبو کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ ایرانی رہے باقی نہ تورانی نہ افغانی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبہ میں واضح طور سے اس کا اعلان فرمایا اور اخوت، مساوات، مواسات وہمدردی، باہم الفت ومودت اور امن وسلامتی کی زندگی گذارنے کی نہ صرف دعوت دی بلکہ اس جیسی تحریک کو پسند فرمایا، اور نبوت سے پہلے ایک معاہدہ امن "حلف الفضول" کو یاد کرکے فرمایا کہ اگر اس جیسا معاہدہ اب بھی کیا جائے تو اس میں شرکت کروں گا، حدیث نبوی کے الفاظ ہیں:۔

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: لقد شھدت فی دار عبداللہ بن جدعان حلفا، ما أحب أن لی به حمر النعم، ولو أدعی به فی الاسلام لأجبت"

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایک ایسے معاہدہ میں شریک ہوا جو مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ پسند ہے

اگر میں اسلام کے بعد اس کے لئے بلایا جاتا تو اس کو (ضرور) قبول کرتا" (اس زمانہ میں سرخ اونٹ بڑا قیمتی سرمایہ تھا) عبداللہ بن جدعان کے گھر پر ہی معاہدہ ہوا تھا کہ باہم جنگ وپیکار ختم کرکے محبت وامن وسلامتی کی زندگی اختیار کی جائے گی۔

اسلام نے باہم محبت، تعلق، امن وسلامتی کو انسانی سماج میں جاری وساری کرنے کے لئے جہاں جنس، رنگ، زبان اور مذہب کی بنا پر امتیاز وبھید بھاؤ کو تسلیم نہیں کیا، وہاں معاشرہ کو نفرت، بغض وعناد حسد اور دشمنی سے بھی پاک رکھنے کی تاکید کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

"لاتباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا، وکونوا عباداللہ اخوانا" (بخاری ومسلم)

ترجمہ:۔ ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، باہم حسد نہ کرو، اور ایک دوسرے سے روگردانی مت کرو، اے خدا کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔

مذکورہ بالا تعلیم وہدایت کے زیر اثر اس عرب معاشرہ میں امن وامان اس تیزی کے ساتھ عام ہوا کہ مورخ انگشت بدنداں ہے ایک ایسا معاشرہ جس میں انسان بات بات پر بلکہ بے بات پر لڑتا تھا، نفرت، عداوت، حقارت، اپنے کو برتر، دوسرے کو کمتر، نسل ورنگ، قسم ومذہب کی بنیاد پر امتیازی سلوک، سماجی نابرابری اور جنگ وجدل گھٹی میں پڑی ہوئی تھی سنر کرنا، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا بلکہ اپنی آبادی اور گھر میں امن وبے خوفی سے زندگی بسر کرنا مشکل تھا، اسی بنا پر اس کا ایک گروہ اسی امتیازی سلوک، محرومی، اور دکھ درد سے دل برداشتہ ہوکر بغاوت وسرکشی پر آمادہ ہوگیا، جن میں کچھ باشعور شاعروں وادیبوں کا بھی ایک طبقہ تھا، ہم نے سطور بالا میں "صعالیک شاعروں" کا تذکرہ بطور مثال پیش کیا ہے اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دکھیاروں کے اس گروہ نے انتقامی جذبہ اور اپنے حقوق کی واگذاری کے لئے جنگ وپیکار کی راہ اختیار کی، جس کی وجہ سے پورے جزیرۂ عرب کا امن وامان غارت ہوگیا، اسی دوران رب کریم نے رحمت عالم ﷺ کے ذریعہ امن وسلامتی کا پیغام بھیجا، جس نے نہ صرف جزیرہ بلکہ پورے عالم کی کایا پلٹ دی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی کے مطابق اسی جزیرہ عرب میں حیرۂ سے صنعا تک سونا اچھالتے ہوئے ایک بڑھیا نے بے خوف وخطر اپنا سفر طے کیا۔

اسلام کا "پیغام امن" قلب وضمیر کی سلامتی سے شروع ہوتا ہے اور پوری دنیائے انسانیت کی زندگی کے ہر گوشے کو امن وامان سے ہمکنار کرتا ہے، عقیدہ، قلب اور زبان کو سلامت، صاف وشفاف آئینہ بناتا ہے اس پر ذرہ برابر بھی داغ دھبہ نہیں چھوڑتا، اگر انسان کا عقیدہ، دل وزبان درست ہے تو وہ اطمینان اور امن وسکون اور سکھ وچین محسوس کرتا ہے اور اس کی گھریلو زندگی بھی امن وسلامتی کی حامل بن جاتی ہے یہی سبب ہے کہ انسان کو شریک حیات کے انتخاب کے لئے اسلام نے خصوصی توجہ بلکہ ہدایت دی کہ دیندار وخوش خصال لڑکی کو رفیقہ زندگی بنایا جائے جو گھر کو امن وچین کا گہوارہ بنادے گی پھر اس کے ساتھ مل کر عافیت وسلامتی کے ساتھ ایک ایسا معاشرہ تشکیل پائے گا جس کے آنگن میں امن وامان اور خوشی ومسرت کی کلیاں کھل اٹھیں گی، ایک ممتاز عالم نے کہا ہے کہ جس دنیا میں فرد کا ضمیر سکون سے خالی ہوگا وہ دنیا سلامتی سے محروم رہ جائیگی۔

سکون وچین جس طرح فرد کو درکار ہے بالکل اسی طرح گھر، معاشرہ اور عالمی سماج کو بھی اس کی ضرورت ہے اسلام نے اپنے عقیدہ، نظریہ، قانون وشریعت کے ذریعہ ان چاروں کو امن وامان سے مالا مال کرنے کے لئے مکمل اور بھرپور رہنمائی کی ہے اس نے فرد کو نیکی وصلاح، حسن سلوک، اعلیٰ اخلاق، غریب پروری وغم خواری، پڑوسی کی مدد، انسان کی خدمت گذاری، معاشرے کی فلاح وبہبود، عالم انسانی کی سلامتی، اس کی تعمیر اور خیر محض بننے کی ہدایت دی، یہ اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب فرد کا ضمیر مطمئن، گھر پُرسکون، معاشرہ عافیت وسلامتی کا گہوارہ اور عالمی سماج امن وامان کا سرچشمہ ہو۔

اسلام کی تمام تر دعوت کا محور امن وآشتی ہے وہ صرف انسانوں ہی کے ساتھ رحم وکرم کے سلوک کا حکم نہیں دیتا بلکہ ہر جاندار وذی روح کے ساتھ مہربانی کرنے پر جنت کی بشارت دیتا ہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

"ہاں! ہر زندہ جان والے کے بارے میں اجر ملتا ہے" (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم سطور کا مضمون (السلام نئی دہلی) جنوری ۲۰۰۲ء)

آج کے حالات انہیں مذکورہ بالا ہدایت ورہنمائی پر عمل کا تقاضا کررہے ہیں، اور تبدیلی اور سچی تصویر اسی کے پردہ پر واضح اور نمایاں ہوسکتی ہے، ضرورت اخلاص وسچائی کے ساتھ عمل وتوجہ کی ہے۔

☆☆☆

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں

ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
44,Haji Building, S.V.Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele: Add Cupkettle
Tel:3460220,3468708

صحافتی اخلاقیات کے چند پہلو

از: ابن فضیل

مختلف شعبہائے زندگی میں کچھ اخلاقی قدروں کو تسلیم کرنے اوران پر عمل کئے جانے پر ہمیشہ سے انسانی سماج میں زور دیا جاتا رہا ہے۔صحافت بھی ایک ایسا میدان ہے جس کی اخلاقیات طے کی گئی ہیں مگر افسوس کہ موجودہ دور میں صحافت میں اخلاقیات کا یہ پہلو مضمحل ہوتا نظر آرہا ہے ایک زمانہ تھا جب صحافت کو مشن سمجھا جاتا تھا لیکن افسوس کہ اب صحافت محض ایک پیشہ ہے واقعہ یہ ہے کہ سماج کی بدلتی ہوئی قدریں صحافتی اخلاقیات پر اثر انداز ہوئی ہیں ''خبر کیا ہے'' اور ''خبر کیا نہیں ہے'' میں امتیاز نہ برتنے کی غلط روش نے صحیح اور غلط کے مابین فرق کو ہی مٹا دیا ہے۔کاش کہ صحافت سے وابستہ حلقہ پروفیشنل ایتھکس (Professional Ethics) کو ملحوظ خاطر رکھے اور ہمہ وقت اس کا استحضار کرتا رہے۔تو صحافت کو صحیح مثبت اور تعمیری رخ دینے کا کام بآسانی انجام پاسکے۔

ہندوستانی اور بین الاقوامی میڈیا کے سرکردہ اداروں نے اس کے لئے کچھ بنیادی اصول وضع کئے ہیں،انہیں کو پروفیشنل ایتھکس کہا جاتا ہے۔

ذرائع ابلاغ چاہے وہ پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں بڑی سماجی ذمہ داری ادا کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ صحافت کو جمہوریت کا ایک ستون قرار دیا گیا ہے۔بدگمانی، بھکمری، غربت، عدل وانصاف، ناخواندگی، ظلم وزیادتی سے جڑے ہوئے موضوعات سے متعلق واقعات کی رپورٹنگ کرنا یقیناً ایک صحافی کا اپنا سماجی فرض نبھانا ہے ایسے تمام واقعات کی رپورٹنگ اوران کو پیش کرنے میں سب سے بنیادی عنصر معروضیت (Objectivity) کا ہے۔

میڈیا واچ ڈاگ، انڈیا براڈ کاسٹنگ فاؤنڈیشن، ایڈیٹرس گلڈ، پریس کونسل آف انڈیا وغیرہ نے معروضیت کو خبر یا رپورٹ کی بنیاد قرار دیا ہے جس کے تحت ذاتی رائے کو شامل کئے بغیر مسئلے سے تعلق رکھنے والی اصل اور مکمل صورت حال کو پیش کرنا ضروری ہے۔اس کا دوسرا عنصر ہے ایمانداری چنانچہ خبر رسانی میں واقعات کو چھپانے یا توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہوسکتی اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ایمانداری نہ ہوگی تو صورت حال کی سچی رپورٹنگ نہ ہو سکے گی اور صحیح اور غلط کے مابین امتیاز قائم کرنا دشوار ہو جائے گا۔

گجرات کے فسادات (۲۰۰۲ء) کی رپورٹنگ میں ہندوستانی میڈیا نے جس انصاف اور ایمانداری سے کام لیا وہ مندرجہ بالا اصولوں کی پاسداری کی ایک روشن مثال ہے جس کا اعتراف سپریم کورٹ نے بھی کیا البتہ گجراتی زبان کے دو اخبارت نے متعصبانہ اور جانبدارانہ رویہ اپنایا جس نے فسادات میں آگ پر تیل کا کام کیا چنانچہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ صحافیوں سے اکثر یہ فرمایا کرتے تھے ع زیر''قدمت'' ہزار جان است۔گجراتی اخبارات کے اس متعصبانہ رویے کی نشاندہی اوراس کو ہدف ملامت بنانے کا کام سرکردہ صحافیوں نے کیا جو اس بات کی علامت ہے کہ صحافت میں اخلاقی قدروں نے بالکل دم توڑ نہیں دیا ہے۔

صحافتی اخلاقیات کا تیسرا عنصر ہے توازن۔ خبر یا رپورٹ اسی وقت متوازن ہوگی جب اس میں فریقین کے نقطۂ نظر کو پیش کیا گیا ہو اور جانبداری سے کام نہ لیا گیا ہو توازن کا یہی وہ عنصر ہے جو کسی اخبار، رسالہ یا میگزین کا معیار متعین کرتا ہے۔

بین الاقوامی سطح پر صنعت وتجارت کے فروغ اور گلوبلائزیشن نے کنزیومر کلچر (Consumer Culture) کو پنپنے کا موقع دیا ہے۔ظاہر ہے کہ ذرائع ابلاغ بھی صنعت وتجارت کی اس دوڑ میں پوری طرح اور بری طرح شامل ہیں اس وجہ سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اب خبر تجارت کی پشت پر سوار ہے ایڈیٹوریل اور نیوز کے درمیان ایک تیسری چیز ایڈورٹوریل (Advertorial) نے اپنی جگہ بنالی ہے جس کے نتیجہ میں مخصوص قسم کی خبریں پروجیکٹ کی جاتی ہیں خبروں کا زاویہ تجارتی گھرانوں، سیاسی گروہوں اوران کے مخصوص مفاد کی طرف موڑ دیا جاتا ہے ماہرین کا کہنا ہے کہ موجودہ دور میں ذرائع ابلاغ میں معروضیت کی کمی نمایاں طور پر دیکھی جارہی ہے کنزیومرسٹ (Consumerist) ہونے کا رجحان غالب ہے اس طرح اخبار اپنے صارفین کے لئے ایک خاص طرح کے پیکج میں پیش کیا جارہا ہے اور نتیجہ میں یہ رجحان سماج کے بڑے طبقے کے بنیادی مسائل کو نظر انداز کرتا ہے مثلاً غربت وافلاس، سماجی بہبود وغیرہ۔اخبارات اور میگزین میں کنزیومرزم (Consumerism) کا یہ رجحان گہرا ہوتا دکھائی دے رہا ہے تاہم ہندوستان میں اب بھی چند اخبارات اس سے منزہ ہیں جیسے The Hindu وغیرہ۔

بنیادی نوعیت کا ایک سوال یہ بھی ہے کہ رپورٹنگ کا طریقۂ کار کیا ہو مثال کے طور پر ذہن کے پردے پر یہ سوال ابھر سکتا ہے کہ ایک اخبار نے ۲۰۰۱ء میں ایک دفاعی اسکینڈل کی رپورٹ کو جس طرح عام کیا، کیا وہ صحافتی اخلاقیات کے دائرے میں آسکتا ہے؟ فوج کے افسران وغیرہ کو سرمایہ کا لالچ دے کر دفاعی سودا کرنے کے اسکینڈل کو منظر عام پر لانے کو کس حد تک مناسب قرار دیا جاسکتا ہے! دراصل یہ رجحان ہے کنزیومر کلچر کا۔اس سے عوام الناس میں ذرائع ابلاغ کا وقار مجروح ہوتا ہے ہماری ناقص رائے میں مذکورہ بالا اخبار کی رپورٹنگ کا نتیجہ صرف یہ برآمد ہوا کہ اس وقت کی برسر اقتدار پارٹی کے پسماندہ طبقے سے تعلق رکھنے والے صدر کو مستعفی ہونا پڑا جب کہ اس وقت کے وزیر دفاع کو ان کے عہدے پر دوبارہ بحال کر دیا گیا۔

مندرجہ بالا چند ایک مثالیں بتاتی ہیں کہ ان دنوں ذرائع ابلاغ میں علی العموم صحافتی اخلاقیات اضمحلال کا شکار ہے اوراس پر کنزیومرزم اور تفریح وتعیش کا پہلو غالب ہے البتہ کچھ اخبارات اور الیکٹرانک چینل ان سخت حالات میں بھی صحافتی اخلاقیات کی پاسداری کر رہے ہیں اور اپنی شناخت بنائے ہوئے ہیں اور یہی وہ ذرائع ابلاغ ہیں کہ جنہوں نے صحافت کے میدان میں مشن اور پیشے کے مثبت عناصر کو سمونے اوران دونوں کے مابین توازن کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے جو قابل تحسین بھی ہے، قابل قدر بھی ہے، اور قابل تقلید بھی۔

حاصل یہ کہ سماج کے بناؤ بگاڑ میں صحافت کا کردار بڑا اہم اور موثر ہے اگر اخلاقیات پیش نظر رہیں تو وہ صحافت مثبت صحافت کہلائے گی اور تعمیری رول ادا کرے گی ورنہ وہ منفی صحافت یا زرد صحافت یا جذباتی و جانبدارانہ صحافت سے تعبیر کی جائے گی جو ظاہر ہے کہ سماج میں انتشار اور بے راہ روی کا باعث بنے گی اس لئے ضروری ہے کہ صحافت کی صحت مندانہ روایات پر گرفت مضبوط کی جائے اور یہ کام صحافیوں کے مزاج و ذوق پر مبنی ہے ع فیصلہ ترا ترے ہاتھوں میں ہے وہ ظالم کی مدد کرنا پسند کرتے ہیں یا مظلوم کی، صحافتی مفادات سے بلند ہوتا ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک صحافی کو حق کا طرفدار ہونا چاہئے سچائی کا دامن اس وقت اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا جب وہ مفادات کے تابع ہو جائے چاہے وہ مفادات نجی وگروہی نوعیت کے ہوں یا فرقہ وارانہ نوعیت کے، اگر ایک صحافی کو مفادات عزیز ہو گئے تو وہ صحافی کہلانے جانے کے بجائے پروپیگنڈسٹ کہلائے گا اور حقائق سے اسے کوئی سروکار نہ ہوگا بلکہ حقائق کو نظر انداز کرنے اور بعض دفعہ مسخ کرنے کا وہ مجرم ہوگا۔

صحافت تو اس مصرعہ کی مصداق ہے ع

دل سا دوست نہ دل سا دشمن

ذرائع تو بذات خود معصوم ہوتے ہیں البتہ صحافت کی دودھاری تلوار کا استعمال صحافی کے فیصلہ پر ہے چاہے تو وہ ظلم وبدعنوانی کے خلاف شمشیر برہنہ بن جائے یا ظلم کی حمایت میں اپنی توانائیاں صرف کردے حق کو ناحق قرار دے اور بگاڑ کو سدھار کا نام دے دے چاہے تو فحش ومنکرات کو فروغ دے یا ان پر روک لگائے ع۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بات صحافت کی اخلاقیات کی چل رہی ہے لیکن صورت حال یہ ہے کہ موجودہ معاشرہ کے اخلاقی زوال میں میڈیا بڑا منفی اور تخریبی کردار کر رہا ہے فحش تصویریں اور عشقیہ مکالموں کی اشاعت نے نئی نسل کے اخلاق وکردار کو جس مرحلہ اور موڑ پر پہنچا دیا ہے اس کے تصور سے ہی روح کانپتی ہے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

مسئلہ محض صحافت کی اخلاقیات کے زوال کا نہیں، حق وصداقت کی قدروں کے انحطاط اور روبہ زوال ہونے کا ہے معاشرہ کے بگاڑ کے اثرات زندگی کے سارے شعبہ جات پر پڑیں گے ہی لیکن صحافت کا کام تو قبلہ نمائی اور رہنمائی کا ہے اور صحافت سے وابستہ افراد کے لئے یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ وہ ادھر اُدھر کی بات نہ کریں بلکہ یہ بتائیں کہ قافلہ کیوں لٹا۔

ہمارے معاشرہ کا ایک بڑا مرض محض خوبصورت اصطلاحوں کے وضع کرنے کا ہے جن کے برتنے اور زندگی میں اس پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔کیا کہیں ایسا تو نہیں کہ اخلاقیات بھی اسی کی زد میں آگئی ہوں اور جس شاخ پر نشیمن بنا ہو، وہی شاخ خطرہ میں پڑ گئی ہو؟

☆☆☆

حمد

جناب شفیق ندوی، سعودی عربیہ

ہے بات جو غمزوں میں اشاروں میں وہی ہے
نغموں میں مدھر ساز کے تاروں میں وہی ہے
پنہاں جو سکوں میں ہے، پریشاں وہ لہو میں
طوفاں میں کبھی موج کے دھاروں میں وہی ہے
آباد ہے جو وحشت صحرا وہی دل میں
آواز اذاں میں جو مناروں میں وہی ہے
آواز جرس میں جو سپیوں کی صدا میں
مطرب کی نوا نغمہ نگاروں میں وہی ہے
اعجاز، مسیحا، ید بیضا میں، نفس میں
جو برق تجلی میں شراروں میں وہی ہے
افسوں میں ہے جادو میں، کرشموں میں نہاں وہ
ہے قوس قزح میں ستاروں میں وہی ہے
حسرت میں، کبھی دل کی تمنا جو تڑپ میں
پنہاں جو خزاں میں ہے بہاروں میں وہی ہے
ہے چال میں قمری کی جو رفتار صبا میں
شبنم میں جو ساون کی پھواروں میں وہی ہے
عقدہ یہ ازل کا ہے کھلا ہے نہ کھلے گا
پنہاں جو نگاہوں سے ہزاروں میں وہی ہے۔

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی کی لکھنؤ آمد

قارئین تعمیر حیات کو یہ اطلاع دیتے ہوئے ہمیں مسرت ہو رہی ہے کہ ندوہ کی شوریٰ کے اجلاس کے موقع پر حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی مدظلہ العالی ندوہ تشریف لا چکے ہیں، انشاء اللہ مولانا ۷ محترم کا چند مہینوں ندوہ ہی میں قیام رہے گا۔متعلقین ومحبین اور اہل علم وفضل کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ وہ تا اطلاع ثانی مولانا سے موصوف سے ندوہ ہی کے پتہ پر مراسلت یا رابطہ قائم کریں۔(ادارہ)

قندِ مکرر

ابلیس کا خطبۂ صدارت

حضرت فاروق بانسپاری (پیدائش ۱۹۰۷ء) کے تعارف کے لئے اتنا عرض کردینا کافی ہے کہ حضرت مولانا مسعود عالم ندویؒ نے ان کی ابتدائی نظموں کا مجموعہ علامہ اقبال کی خدمت میں ارسال کیا تھا اور جواب میں علامہ اقبال نے اپنے مکتوب ۲۸ مئی ۳۸ء میں ان کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار بھی فرمایا تھا (مکتوبات اقبال جلد ۲)۔

حضرت مولانا مسعود عالم ندویؒ سے ربط وضبط کے بعد ان کی فکر کو صحیح سمت ملی۔ ''مدینہ'' بجنور کے ایڈیٹر جناب نصر اللہ خاں عزیز نے ان کو میدان شعر وسخن سے روشناسی کرایا، اثر لکھنوی کی صحبتوں نے ان کے ذوق شعر گوئی کو جلا بخشی زیر نظر نظم ان کے مجموعۂ کلام ''سوز وساز'' سے ماخوذ ہے اور برسوں بیت جانے کے بعد بھی محسوس ہوتا ہے کہ یہ نظم آج بھی عالم اسلام کو لاحق خطرات اور اس کو درپیش چیلنجز کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ (ا۔ش)

وہ دَور گیا میری حکومت کے سفیرو — اَب عالمِ امکاں میں نئے جال بچھاؤ
لادینیِ افکار کا مغرب کو ہے سودا — اِس خام خیالی میں اسے پختہ بناؤ
بے نور نہ ہوجائے کہیں دل کا اندھیرا — تو شمعِ منافات کی کچھ لو بڑھاؤ
تکمیلِ مقاصد کے لئے گر ہو ضروری — یزداں کی پرستش کی بھی تحریک چلاؤ
پیرانِ کلیسا کا ہے کچھ اور ہی مسلک — ہیگل کا یہ پیغام جوانوں کو سُناؤ
یہ سبزہ وگل، شاہد وئے، خوانِ نعیمت — کافر نہ بنو! کھاؤ پیو، مَوج اُڑاؤ
بے قید جوانی کو مددگار بنا کر — آزادیِ نسواں کی حدیں توڑتے جاؤ
بیداریٔ جمہور کی دے سُلجھے گی گتھی — قوموں کے لیے نیند کا جادو بھی جگاؤ
پُر کے ہی لگانے سے نہ سُلجھے گی یہ گتھی — حکمت کا تقاضا ہے کہ مرہم بھی لگاؤ
آفاق کو تخفیفِ غمِ زیست کے ہاتھوں — ردِّعملِ ظلمِ فراواں سے بچاؤ
مشرق کہ مقلّد ہے انہیں مغربیوں کا — اِس کو بھی یہی ہوش رُبا زہر پلاؤ
فرسودہ طریقوں کا زمانہ نہیں باقی — بیدار جوانوں کو نئے خواب دکھاؤ
اعراب کو دو نعرۂ قومیت اعراب — آفاقیتِ فکر کو محدود بناؤ
چلتا نظر آتا نہیں تقسیم کا جادو — تفریق کے رجحان پہ اَب ضرب لگاؤ
ممکن ہو تو اب چھوٹے ممالک کو ملاکر — دُنیائے سیاست میں بڑے فتنے اُٹھاؤ
سلطانیٔ مقہور کے زنداں سے چھڑا کر — دلدل میں اسے قوم پرستی کے پھنساؤ
رفتار تو ہو تیز مگر یہ بھی رہے دھیان — محتاط قدم جادۂ مشرق میں اُٹھاؤ
زندہ اِسی خطّے میں ہے کم بخت مسلماں — لازم ہے کہ پہلے اِسی خطرے کو مٹاؤ
ہرچند کہ ہے نزع کے عالم میں گرفتار — بے ربطیِ انفاس کے دھوکے میں نہ آؤ
دل اس کا ابھی عظمتِ قرآں کا ہے قائل — اِن ڈوبتی نبضوں کی شہادت پہ نہ جاؤ
بالضد نہیں بالمثل طریقوں سے بحکمت — اس نقشِ گراں مایۂ ہستی کو مٹاؤ
رخصت ہوا وہ پانوں دبانے کا زمانہ — اب وقتِ نماز آئے تو سوتوں کو جگاؤ
کعبے کی زیارت پہ بھی کرتے رہو مائل — ماہ رمضان آئے تو روزے بھی رکھاؤ
قرآن کا دل اس کی نگاہوں سے چھپاکر — حافظ بھی بناؤ اِسے قاری بھی بناؤ
خاکہ تو رہے دیں کا مگر رنگ تمہارا — اس طرح مسلمان کی تصویر بناؤ
ملّا کہ ہراک عقدۂ دشوار کا حل ہے — قابو میں یہ تفویض مناصب اِسے لاؤ
بازار میں یہ جنسِ عجوبہ ابھی کم ہے — مکتب کی مشینوں کو ذرا تیز چلاؤ
تفسیر و فقہ منطق و آیات و احادیث — نااہل بناکر اسے جو چاہو پڑھاؤ

مطالعہ کی میز پر

امین الدین شجاع الدین

نام کتاب: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ''نقوش حیات''

از: ڈاکٹر شاہ عباد الرحمٰن نشاط

ناشر: صدیق اکبر ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر فاؤنڈیشن رائے بریلی

سول ایجنٹ: مکتبہ عثمانیہ ۴۵۷ علی نگر رائے بریلی

قیمت: ۵۰ روپے

صفحات: ۱۶۰

''نقوش حیات'' نامی کتاب دراصل شاہ عباد الرحمٰن نشاط کی ان خوشگوار یادوں کے نقوش پر مشتمل ہے جو ان کے شیخ ومربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے عشق ومحبت اور والہانہ شیفتگی کی بدولت ان کے دل پر نقش ہوگئے ہیں۔ عالم اسلام کے اس گل سرسبد کی یادوں کی خوشبوؤں کو انہوں نے اپنی اس کتاب میں اس طرح خوبصورتی سے سمویا ہے کہ یہ خوشبو نہ صرف محفوظ رہے بلکہ متعدی ہوجائے پڑھنے والا پڑھتا بھی جائے اور مصنف کتاب کی تحریر کی لذت کی بدولت حضرت ممدوح مولانا علی میاں ندویؒ کی عقیدت ومحبت سے سرشار ہوکر دوسروں کو بھی اس ارادت ومحبت میں شریک کرلے۔

مصنف کتاب بہار کے کسی کالج میں انگریزی کے لکچرر تھے لیکن رگوں میں گردش کرتے خون کا اثر بہرصورت ظاہر ہوکر رہتا ہے۔ اس لئے کہ آخر مصنف کتاب حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلیفہ حضرت آدم بنوریؒ سے خلافت یافتہ شیخ سلطان رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے چشم وچراغ ہیں گویا چنگاری خاکستر میں موجود تھی اور اسے شعلہ بننے کے لئے کسی نظر کیمیا اثر کی ضرورت تھی سو اخ حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ کے مطالعہ نے انہیں اس کتاب کے مصنف حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے ایسی مناسبت پیدا کردی جو جلد ہی ان کے دل کی دھڑکن بن گئی، جس سے ان کے دل کو سرور، آنکھوں کو ٹھنڈک، روح اور فکر کو تازگی ملی اپنے شیخ کی یادوں کے ان ہی پاکیزہ احساسات و جذبات کا کتابی شکل میں یہ وہ حسین گلدستہ ہے جو نقوش حیات کے نام سے مصنف نے قاری کے لئے آراستہ کیا ہے۔ جیسا کہ مصنف کتاب نے جابجا صاف لفظوں میں بیان کردیا ہے کہ ''اس حقیر تصنیف کے ذریعے میں نے حضرت مولانا کو مفکر، داعی یا مصلح کے طور پر پیش کرنے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ میرے لئے تو حضرت کی ہر جنبش اہم ومحبوب تھی انہیں سے میری یادداشت کی قیمت ہے اور انہیں سے میرے دل کے چراغ جلتے ہیں''۔ گویا ایک مرید کی اپنے شیخ سے والہانہ لگاؤ وتعلق اور عشق وشیفتگی کی یہ ایک سچی کہانی ہے چنانچہ اس کتاب کو اسی عینک اور زاویہ سے دیکھا جانا چاہئے۔

مصنف کتاب اپنے شیخ سے مشورہ کرنے کے بعد اعلیٰ انگریزی تعلیم کے لئے امریکہ کا رخ کرتے ہیں لیکن اس ماحول میں بھی شیخ کی نصیحت ان کی نیت کے قبلہ کو درست رکھنے میں معاون بنتی ہے اور امریکہ میں علمی دسترخوان سے خوشہ چینی کرنے کے بعد بہار کے اس سابق لکچرر کی آنکھیں آخر وہ پُر بہار دن بھی دیکھی ہیں کہ اس کا رزق ع بارخدایا یہ کس کا نام زباں پہ آیا محمد عربی ﷺ کے وطن مکۃ المکرمہ میں مقدر ہوتا ہے۔ مصنف اس نعمت کو اپنی خود سپردگی کے جذبہ اور اپنے شیخ کی توجہات ودعاؤں کا ثمرہ قرار دیتا ہے۔

اخذ کی صلاحیت اپنی جگہ کس قدر اہمیت کی حامل ہوتی ہے یہ کتاب اس کی ایک خوبصورت مظہر اور آئینہ دار ہے کہ اگر چہ مصنف کو اپنے شیخ کے ساتھ وقت گزارنے کے مواقع اکثر دوران اسفار ہی پیش آئے لیکن ان مختصر اوقات ہی میں انہوں نے اپنے شیخ کا جو مطالعہ ومشاہدہ کیا اور اسے ضبط تحریر میں لاکر جو نتائج اخذ کرکے قارئین کے سامنے پیش کیا وہ قابل قدر بھی ہیں، قابل تحسین بھی اور قابل رشک بھی۔ اس سے حضرت مولانا علی میاں ندوی کی شخصیت کے وہ خدوخال ابھرتے ہیں جو انہیں مقناطیسی شخصیتوں کے اس زمرہ میں شامل کردیتے اور ایسا انسان بنا کر پیش کرتے ہیں ہیں جو بقول شاعر فلک کے برسوں پھرنے کے بعد خاک کے پردہ سے نکلا کرتے ہیں ان کی چند ملکوتی صفات ملاحظہ ہوں: ھل جزاء الاحسان الا الاحسان پر جوش خطاب کے دریا بہانے والے تو بہت مل جائیں گے، لیکن چھوٹی سی چھوٹی خدمت کو بھی یاد رکھنے والے اب نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہوتے جارہے ہیں میرے مخدوم ومربی حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی نے مجھ سے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ پانی کا ایک گلاس پیش کرنے والے کا بھی احسان مانتے تھے اور اس کے ممنون ہوا کرتے تھے۔

خوشامد سے خوش ہونا انسان کی فطری کمزوری ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ مفاد پرستوں کا ٹولہ اسے کارگر ومؤثر حربہ کے طور پر استعمال کرتا آیا ہے اور نہ صرف اپنی مخالف شخصیتوں کو مجروح بلکہ اداروں اور تنظیموں کو بھی بے روح بناتا رہا ہے مگر نشاط صاحب نے حضرت مولاناؒ کے متعلق لکھا ہے کہ لکھنمیاں کے سفر کے موقع پر جناب آتش نے منظوم تہنیت نامہ پیش کیا تو حضرت خوش نہیں ہوئے۔ بعض محتاط حضرات غیبت کرنے سے اجتناب کرتے ہوں تو کرتے ہوں لیکن غیبت سننے میں انہیں کوئی مضائقہ نہیں معلوم پڑتا مگر اس کتاب کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ایک موقع پر ایک صاحب کا ناخوشگوار ذکر آگیا تو

حضرت مولاناؒ نے اس بات کو ایسا رخ دیا کہ کسی دوسرے کے لئے بھی ان صاحب پر تنقید کی گنجائش نہیں رہی۔ ایسے ہی نقوش میں سے ایک نقش حضرت مولاناؒ کی بذلہ سنجی کا تذکرہ کہ ایک موقع پر بیابانی صاحب ان کے کپڑوں کو عطر لگا رہے تھے تو فرمایا کہ آپ کا نام بیابانی نہیں بوستانی ہونا چاہئے۔ سوز و گداز کی یہ کیفیت کہ ایک مجلس میں "وہ جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دوکان اپنی بڑھا گئے"، کا مصرعہ کسی نے پڑھا تو حضرت مولاناؒ کی حالت و کیفیت بدل گئی اپنے خیالوں میں گم سب سے بے نیاز ہو کر کمرے میں ٹہلتے رہے اور زبان پر وہی مصرعہ رہا۔ کسی دوسرے موقع پر ایک صاحب نے حضرت مولاناؒ کے شعری ذوق کے پیش نظر یہ شعر پڑھ دیا۔

گلہ جفا کہ وفا نما جو حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بتکدہ میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی "ہری ہری"

اس شعر کو سنتے ہی حضرت مولاناؒ پر گریہ کی وہ کیفیت طاری ہوئی کہ بدن میں جنبش کا احساس ہو رہا تھا اور صاف محسوس ہوتا تھا کہ اس شعر نے ان کے دل کو وہ ٹیس لگائے ہیں جس سے وہ بھر آیا ہے۔ مصنف کتاب کی اس کتاب کا سرنامہ یہ مصرعہ ہے "شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق" یہ واقعات شاہد ہیں کہ حضرت مولانا کو جلوت میں بھی خلوت کی لذت و حلاوت نصیب تھی چنانچہ نشاط صاحب نے تذکرہ کیا ہے کہ حضرت مولاناؒ گاہے بگاہے اپنے خیالوں میں گم ہو جاتے تھے کبھی کبھی اپنی ران پر دھیرے دھیرے ہاتھ مارتے اور زیر لب عربی فارسی یا اردو کے اشعار پڑھتے اس وقت صرف اپنے سے مخاطب ہوتے تھے ایسے موقعوں پر حضرت کو میں نے یہ مصرعہ پڑھتے بار بار سنا ع خدایا عاقبت محمود کردی

مصنف کتاب کی یادوں کا یہ سفر لکھنؤ، پٹنہ سے رائے بریلی اور لکھنؤ اور امریکہ سے مکہ مدینہ تک کی خوشبوؤں سے رچا بسا ہے جو دل و جان کو ایک کیف و سرور بخشتا ہے۔ حضرت مولاناؒ کے تذکرہ میں ان کے مداحوں کا تذکرہ بھی آگیا ہے لیکن اس طرح کہ حضرت ممدوحؒ کے اخلاق و کردار کی مہک سب پر غالب اور سب اس کے طالب دکھائی دیتے ہیں اس کتاب میں سفر فلاڈلفیا میں حضرت مولانا کے نہ صرف آنکھ کے آپریشن کا تذکرہ ہے بلکہ اس کا بھی کہ اس دیدہ بینا نے کس طرح انگریزی کی افادیت کو بھی محسوس کیا تھا اور سائنس و ٹکنالوجی میں برق رفتاری سے ترقی کرنے والے ملک کو روحانیت کے ذریعہ ہی زیر کرنے کا مشورہ دیا تھا اس کتاب میں تکیہ کے رمضان کی بہار کا بھی تذکرہ ہے اور اللہ اللہ! سبحان تیری قدرت کہ کعبۃ اللہ کے کلید بردار جناب شیبی کی قابل رشک دعوت دیدار کعبہ (جس کے تصور سے ہی روح جھوم اٹھے) کا ذکر بھی کہ حضرت مولاناؒ حضرت رائے پوریؒ اور دیگر رفقاء کے ساتھ خانہ کعبہ کے اندر جا کر زیارت سے کس طرح مشرف ہوئے۔

گویا یہ کتاب کہیں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی بذلہ سنجی سے لبوں پر تبسم بکھیر دیتی ہے، کہیں ان کے خوف خدا سے قاری پر خشیت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، کہیں کعبۃ اللہ کے جلال کا احساس ہوتا ہے تو کہیں حرم نبوی کے جمال کا اور ان کے حبِ رسول و عشق نبوی، سوز و گداز اور ادب و شائستگی اور شیفتگی اور عقیدت کا۔ کتاب کے آخر میں پہونچ کر زمانہ علالت کی تفصیلات، ندوہ کی آخری مجلس اور پھر انتقال کے سانحہ کا تذکرہ قاری کو مغموم بنا دیتا ہے اور اسے چشم پرنم کر دیتا ہے۔ مصنف کتاب کہ جس کے ممدوحؒ کا دل دین و ملت کے غم سے معمور تھا اور جس کے دیدہ تر کی بے خوابیوں اور آنسوؤں کی بدولت دل کی کھیتیاں آباد ہوا کرتی تھیں، اس جیسی شخصیت کی زندگی کے چند ایک پہلوؤں پر مشتمل کتاب کے مطالعہ کا حق ہے کہ اس کے مطالعہ کے اختتام پر ایک قاری کے دل کی بھی یہی کیفیت ہو کہ وہ اقبال کا مرد مومن تھا اور جس کی شان یہ تھی کہ ؎

یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

پروفیسر وصی احمد صدیقی صاحب کے مقدمہ نے کتاب کو نہ صرف وقار بخشا ہے بلکہ اسے علمی و فکری حلقوں میں معتبر اور خصوصاً حضرت مولاناؒ کے حلقہ میں مستند بنا دیا ہے۔

۱۶۰ صفحات کی یہ کتاب ایک ایسی قوس قزح کی مانند ہے جس میں دلکش و دلآویز اور جاذب نظر رنگوں کے حسین امتزاج سے حضرت مولاناؒ کی ہمہ جہت شخصیت کے وہ خدوخال ابھر کر سامنے آگئے ہیں کہ جس سے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی ذات سے نہ صرف ارادت و محبت پیدا ہو بلکہ یہ تحریک بھی ملے کہ ان کی سوانح سے مزید واقفیت ہو اور اس کتاب کے مطالعہ سے فکر و نظر کے جو چراغ روشن ہوئے ہیں، ان کی لو کو تیز تر کرنے کے لئے اس سلسلہ کی دوسری اہم کتابوں (خصوصاً خودنوشت سوانح کاروان زندگی کے علاوہ میر کارواں از حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی) کا مطالعہ کیا جائے کہ حضرت مولاناؒ کی شخصیت کا چراغ، چراغ مصطفوی سے روشن تھا اور آج شرار بولہبی کا مقابلہ اسی طاقت و قوت کی بدولت ممکن ہے انشاء اللہ اس طرح یہ کتاب "علی شناسی" کا محرک بنے گی اختصار اور بڑی حد تک نجی و مجلسی گفتگو پر مبنی یہ کتاب اپنی انفرادیت اور امتیازی حیثیت کو باقی رکھے گی۔ اور اس کی تازگی و شادابی میں فرق نہ آئے گا۔

امید ہے کہ یہ کتاب حضرت مولاناؒ کی مجلس میں اکثر و بیشتر حاضر رہنے والوں اور ان سے استفادہ کرنے والوں نیز اس خانوادہ کے باکمال چشم و چراغ ارباب علم و قلم کو بھی تحریک دلائے گی کہ وہ بھی اپنی ان یادوں کو کتابی شکل میں محفوظ کر دیں اس طرح حضرت مولانا کی ہمہ جہت شخصیت کے مختلف پہلو آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ ہو جائیں گے اور وہ ان حضرات کی ممنون ہوگی خصوصاً پروفیسر وصی احمد صدیقی صاحب اور مولانا سعید الرحمٰن صاحب، جناب مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب کہ یہ حضرات 'دسترخوان علی' کے خوشہ چیں رہے ہیں اور صاحب علم و قلم بھی ہیں اور ان ارباب علم و فضل کا ذوق بھی جداگانہ اور اسلوب بھی منفرد ہے اور جن کی کاوشیں "علی شناسی" کے لٹریچر میں نہ صرف اضافہ ثابت ہوگی بلکہ مستند و معتبر ٹھہریں گی نیز ارباب علم و فضل کے جداگانہ ذوق و موضوعات کی بدولت حضرت مولاناؒ کی جامعیت کے مختلف گوشے بھی منظر عام پر آسکیں گے۔

☆☆☆

نقہ و فتاویٰ

فقہی سوال و جواب

از مفتی محمد طارق ندوی

س(۱) گیارہویں میں لوگ مٹھائی وغیرہ نذر کرواتے ہیں کیا ایسی اشیاء کو کھا سکتے ہیں؟

ج(۱) گیارہویں میں جو مٹھائی وغیرہ نذر کی جاتی ہے وہ غیر اللہ کی نذر ہے اس کا کھانا درست نہیں ہے۔

س(۲) سود کے روپیوں سے اگر غریب عزیز و اقارب کے گھر کا بیت الخلاء بنا دیں تو کیسا ہے؟

ج(۲) صورت مسئولہ میں سودی رقم سے غریب کیلئے بیت الخلاء بنوا سکتے ہیں۔

س(۳) ہندوؤں کو نمستے اور نمسکار کہنا کیسا ہے؟

ج(۳) اس کی اجازت نہیں کیونکہ یہ مخصوص مذہبی الفاظ ہیں البتہ جو الفاظ مذہبی نہیں بلکہ معاشرتی ہیں جیسے آداب، یا آداب عرض ہے ان کی گنجائش ہے۔

س(۴) ڈاکٹر بسا اوقات دوائیں دیتے ہیں صرف مرض تشخیص کر کے دواؤں کا نسخہ لکھتے ہیں اور اس کی فیس لیتے ہیں تو کیا ان کا کرنا درست ہے؟

ج(۴) صورت مسئولہ میں فیس لینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہر قسم کی خدمت پر بشرطیکہ حرام کی حدوں میں داخل نہ ہو تو اجرت متعین کرنا اور لینا درست ہے۔

س(۵) چمچوں اور کانٹوں سے کھانا شرعاً کیسا ہے؟

ج(۵) بلاضرورت چمچوں اور کانٹوں سے کھانا مسنون طریقے کے خلاف ہے ہاں اگر ضرورت ہی پڑ جائے تو استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

س(۶) کیا شادی وغیرہ کی تقریب میں بفے سسٹم جائز ہے؟

ج(۶) بفے سسٹم غیر اسلامی طریقہ ہے اور غیر مہذب اور ناشائستہ بھی۔ حدیث کی کتابوں میں تفصیل سے وہ روایات موجود ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کی مفصل کیفیت مذکور ہے اس غیر اسلامی طریقے سے اجتناب و احتراز ضروری ہے۔

س(۷) بارات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ج(۷) بارات کی کوئی شرعی حیثیت نہیں لہذا بارات لیجانا درست نہیں البتہ دو چار اعزہ آجائیں تاکہ لڑکی کو عزت و محبت کے ساتھ رخصت کر دیا جائے تو یہ درست ہے۔

س(۸) ایک شخص نے اپنے لڑکے کو ایک مکان ہبہ کیا لیکن اپنی زندگی میں اس کو قبضہ نہیں دلا سکا جب وہ مر گیا تو کیا اس کے مکان پر بھی وراثت جاری ہوگی اور یہ مکان موہوب نہیں سمجھا جائے گا؟

ج(۸) صورت مسئولہ میں اس مکان میں وراثت جاری ہوگی اور وہ ہبہ شدہ سمجھا جائیگا کیونکہ ہبہ کے لئے قبضہ دلانا ضروری ہے۔

س(۹) زینت یا کسی غرض سے پرندوں کو پنجرے میں قید رکھنے کا کیا حکم ہے؟

ج(۹) دریافت کردہ صورت میں پرندوں کو پنجرے میں قید رکھنا درست ہے بشرطیکہ انکے حقوق میں کوتاہی نہ ہو۔

آنکھوں کی جانچ اور چشموں کا ایک قابل اعتماد مرکز
چشمہ ساگر
ہمارے یہاں کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ کی جاتی ہے
Auto Refrector Meter AR-860
فوٹو کرامک ☆ کونٹیکٹ لینس ☆ ہائی انڈیکس ریزی لینس
فینسی پاور اور دھوپ کے چشمے
ایک بار خدمت کا موقع دیں
آپٹیشین: اے رحمان (علیگ)
۲۱۲، معتبر گنج، اعظم گڑھ، فون 22200B

مبئی کی
مشہور و معروف
مٹھائی ساز فرم
طہورا سوئیٹس
اسپیشل مٹھائیاں
❖ افلاطون ❖ نان خطائیاں
❖ ڈرائی فروٹ برفی
❖ قلاقند ❖ ملائی مینگو برفی
❖ بادامی حلوہ ❖ گلاب جامن
❖ دودھی حلوہ ❖ گاجر حلوہ
❖ کاجو کتلی
❖ ملائی زعفرانی پیڑہ
مستورات کے لئے خاص تیسہ لڈو۔
و دیگر ہمہ اقسام کی مٹھائیاں دستیاب ہیں۔
خریدنے والوں کے لئے
طہورا سوئیٹس
بلاسس روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸
۲۳۰۸۲۷۷۳_۲۳۰۹۱۳۱۸

وفیات

حضرت مولانا شمس الہدیٰ صاحب کا انتقال

جامعہ رحمانیہ خانقاہ مونگیر میں ختم قرآن وایصال ثواب کا اہتمام

ملک کے سب سے عمر رسیدہ عالم دین مشہور بزرگ حضرت مولانا شمس الہدیٰ صاحب مہتمم مدرسہ رحمانیہ سپول در بھنگہ عیدقرباں کے دن اپنے آبائی وطن مجہول ضلع سہرسہ میں انتقال فرماگئے ، ان کی عمر ۱۰۵ سال تھی، ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ تک انہوں نے مدرسہ رحمانیہ سپول کی خدمت میں گذارا، وہ مدرس، ناظم تعلیمات اور پھر مہتمم کی حیثیت سے کام کرتے رہے ، وہ صاحب مسند مرشد تھے ان کے ارادت مندوں کا حلقہ بہار اور جھارکھنڈ کے علاوہ دہلی، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش اور گواتک پھیلا ہوا تھا، وہ کامیاب مدرس اور منتظم تھے ، مولانا مرحوم حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی نوراللہ مرقدہ کے خلیفہ ومجاز تھے خانقاہ رحمانی سے ان کا بہت گہرا تعلق تھا آزادی ہند کی تحریک میں بھی انہوں نے سرگرم حصہ لیا تھا، وہ ان بزرگوں میں تھے جنہوں نے نوجوانی سے امارت شرعیہ سے عملی دلچسپی لی ، اور وہ جہاں بھی رہے امارت شرعیہ اور خانقاہ رحمانی کے پیغام کو پھیلاتے رہے ، حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد رحمۃ اللہ علیہ نے قربانی کے مسئلہ پر جب تحریک چلائی تو انہوں نے سرگرم حصہ لیا، اور جیل گئے ، حال کے برسوں میں ان کی تنہا شخصیت تھی جنہوں نے امارت شرعیہ کے جھنڈے تلے جیل جاکر سختیاں برداشت کیں ، یہ عجیب واقعہ ہے کہ عیدالاضحی کی قربانی کے سلسلہ میں انہوں نے جیل جانا پسند کیا اور وہ عید قرباں کے دن دنیا سے بلا لئے گئے، ان کے انتقال کی خبر جب جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر پہونچی تو بہت سی آنکھیں نم ہوگئیں خانقاہ رحمانی کا ماحول سوگوار ہوگیا، ان کے انتقال پر خانقاہ رحمانی کی مسجد میں ایک تعزیتی نشست منعقد کی گئی اور ایصال ثواب کیا گیا، خانقاہ رحمانی کے سجادہ نشیں حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی نے اس موقعہ پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مولانا شمس الہدیٰ صاحبؒ کا وصال ہمارا ذاتی نقصان ہے ان کی وفات ملت اسلامیہ کے لئے عظیم سانحہ ہے حضرت مہتمم صاحب سلف صالحین کی یادگار تھے مولانا مرحوم بڑے ذاکر شاغل تھے علم دین کی اشاعت مدرسہ رحمانیہ سپول، جامعہ رحمانی خانقاہ رحمانی مونگیر، امارت شرعیہ اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تحریکات کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھی، ہزاروں نے آپ سے فیض اٹھایا، اللہ تعالی مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے ان کے انتقال کی خبر کا اعلان صاحب سجادہ خانقاہ رحمانی حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی نے بعد نماز جمعہ بھی کیا اور تمام حاضرین نے دعاء مغفرت کی، مختلف مقامات پر مولانا مرحوم کے لئے ختم قرآن پاک اور ایصال ثواب کیا گیا۔

حضرت مولانا شمس الہدیٰ صاحب مہتمم مدرسہ رحمانیہ سپول در بھنگہ کے جنازہ کی نماز ۱۰ ارذی الحجہ کو اپنے آبائی گاؤں میں ان کے صاحبزادہ مولوی حافظ فخر الدین صاحب نے پڑھائی، جنازہ میں علمائے کرام علاقہ کے ذمہ داروں کے علاوہ ہزاروں فرزندان توحید نے شرکت کی۔

(جناب محمد عارف، خانقاہ رحمانی مونگیر)

☆ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے ارادت مندوں میں سے ایک ناگپور کے ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب اپنے خالق حقیقی سے جا ملے مرحوم نے اپنے صاحبزادہ جناب سید محمد عبدالہادی صاحب کو ندوہ ہی میں تعلیم دلوائی ۔ ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب مرحوم کے لئے دعائے مغفرت اور پس ماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعاؤں کی درخواست ہے۔

☆ ۱۳ رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ کی شب میں دارالعلوم کے ایک معمر استاذ جناب مولانا غفران صاحب ندوی کی حقیقی پھوپھی زاد بہن میڈیکل کالج لکھنؤ میں انتقال کر گئیں۔ ادارہ مولانائے محترم کے علاوہ مرحومہ کے پس ماندگان کے ساتھ اظہار تعزیت کرتا ہے۔

ایک تعزیتی مکتوب

برادرم!

السلام علیکم وعظم اللہ اجرکم وأثانکم علی ماصبرتم وغفراللہ لموتاکم وموتی المسلمین ، ورحمھم جمیعاً.

یہ معلوم کرکے کہ انتہائی صدمہ ہوا کہ آپ کے بھائی کا انتقال ہوگیا، مجھے بھی اپنے دو حقیقی بھائیوں کی موت کا صدمہ اٹھانا پڑا ہے، اس لئے اس نزاکت سے واقف ہوں اور جانتا ہوں کہ اس طرح کے صدموں سے کس درجہ دل زخمی ہوتا ہے، بس اللہ ہی ہے جو زخمی دلوں پر اپنی رحمت کا ٹھنڈا مرہم رکھتا ہے، یہی دعا ہے کہ اللہ تعالی مغفورلہ کو آغوش رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو قرار عنایت فرمائے۔

میں نے مرحوم کے لئے جوار کعبہ میں دعائے مغفرت کی ہے اور بھی کروں گا۔ میری دلی تعزیت قبول فرمایئے۔

کان اللہ معکم وھو مولانا ومولاکم أجمعین ۔ ارشد یزدانی کی طرف سے بھی تعزیت وسلام قبول فرمایئے۔

آپ کا مخلص ان شاء اللہ

(حضرت مولانا) عبداللہ عباس ندوی (مدظلہ العالی)

۳۱ رجنوری ۲۰۰۵ء

بنام مولوی امین الدین شجاع الدین صاحب سلمہ

الحراء پبلک اسکول وہاسٹل

اسلامی ماحول میں عصری تعلیم

Al-Hira Public School & Hostel

الحراء پبلک اسکول وہاسٹل نے روز اول سے مسلم بچوں وبچیوں کے لئے ایک ایسا نظام تعلیم ترتیب دیا ہے، جس میں عصری تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے جدید علوم کی تعلیم کا نظم ہے اور ساتھ ہی بنیادی دینی معلومات بھی بہم پہنچائی جاتی ہیں جو بحیثیت ایک مسلمان زندگی گذارنے کے لئے ناگزیر ہیں۔

☆درجات : نرسری تا میٹرک
☆ذریعہ تعلیم : انگریزی
☆سیشن : جنوری تا دسمبر
☆امتیازی خصوصیات : عصری علوم کے ساتھ بنیادی دینی تعلیم پر محبت وشفقت کا ماحول پڑھائی کمپیوٹر کی تعلیم پڑھائی ممکن حد تک کتابوں کا کم بوجھ CCTV کے ذریعہ کلاس مونیٹرنگ
☆نصاب : C.B.S.C کے مرتب کردہ جدید نصاب کے مضامین انگریزی، ہندی، اردو، حساب، سائنس، سماجیات کے علاوہ جنرل نالج، ڈرائنگ کمپیوٹر کرافٹ، عربی، قرآن اور اسلامیات۔
☆ہم نصابی سرگرمیاں : بچوں کی ہمہ جہت ترقی کے لئے کھیل کود، پینٹنگ، سائنس ایکزیبیشن، لائبریری، ایکسکرشنل ٹورز، ہفتہ وار بزم تقریر، سالانہ نظم کہانی ڈرامہ اور ہیت بازی وغیرہ۔
☆ہاسٹل : لڑکے اور لڑکیوں کے لئے پرسکون اور محفوظ مقام پر، رہائش کا الگ الگ نظم۔
☆اوقات دفتر : آٹھ بجے صبح سے ایک بجے دن تک (اتوار کو تعطیل)

Opp: Tranining School, Professors' Colony, Shahganj, Patna-80006
Ph : 2685287(S), 2691945 (H), 9431087443 (M) e-Mail : alhirashahpatsify.com

Maqbool Mian Jewellers
مقبول میاں جویلرس
Jutey Wali Gali 'Aminabad'
Lucknow - 2218636, 2258115
Mobile - 9415001207

گبدون
جگر اور پتہ کی خرابیوں کو دور کرنے والا بے نظیر سیرپ
☆پیلیا، اور جگر
☆اور پتہ کے ورم،
☆کمزوری، درد اور
☆پتھری کا بے نظیر سیرپ

ریڈی میٹ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirts, Trousers, Coat-Suits, Embroidered, Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties.
شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ، تشریف لائیں
menmark
58, Halwasia Market, Hazrat Ganj, Lucknow
Phone (S) 2216948 (R) 2227443

ریلیکوڈرین

حسنی فارمیسی